نثرِ ریاض خیرآبادی

مضامین اور خطوط کا مجموعہ

مرتبہ
عقیل احمد جعفری

نفیس اکیڈیمی عابد روڈ حیدرآباد دکن

(قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار - دو روپیہ چودہ آنہ سکہ عثمانیہ)

طبع اوّل (۱۰۰۰)

ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۵ء

پروپرائٹر

چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس مغلپورہ حیدرآباد دکن

فہرست

نقدالادب ۱۴۱

بعض یادگار ادبی معرکے ۱۸۱

افکار سیاسی ۱۹۱

خیرآباد

ہمنشیں آ، آج خیرآباد کی تصویر دیکھ
پھر نہ نکلا دل میں میرے چھید کے جو وہ تیر دیکھ

دیکھ پہلے خاکِ خیرآباد کی گلکاریاں
خاک میں ملتے ہوئے پھر حسنِ عالمگیر دیکھ

موئے پر تنویر ہے تصویرِ روئے پاک کی
پھیر کر منہ سب سے آ اور موئے پر تنویر دیکھ

ڈھونڈھ اور پا جا جب نقشِ کفِ پائے حبیب
دستِ عبرت نے لکھی ہے اس پہ جو تحریر دیکھ

کیوں سمجھتا ہے اسے ویرانہ بے دیکھے ہوئے
ہے خرابے میں ہمارے اک جہاں تعمیر دیکھ

سعدؔ میں بخشش ہیں اسمیں حافظِ اسلام ہیں
آسیہ خانہ میں میرے مہر کی تنویر دیکھ

بنتی ہے ہجرت پیامِ وصل فیضِ پیر سے
آ غلامانِ "محمدؐ" کی یہاں توقیر دیکھ

تجھکو آئیگا نظر نظارہ افسردہ ہے کون
سالکِ راہِ خدا ابن جذب کی تاثیر دیکھ

اس خزاں دیدہ چمن میں آج بھی کچھ پھول ہیں
بارگاہِ احمدیؐ میں اب بھی جو مقبولؒ ہیں

بارگاہِ احمدی میں اب بھی جو مقبول ہیں
زخم پر ہنستے ہیں اپنے ہی مقتول ہیں

پختہ زناری یہاں کے شیخ کی مشہور ہے
بتکدہ میں رہتے ہیں اور حق سے بھی مشغول ہیں

حسنِ سیرت کو اگر ہے زاہد و پیر انتیاز
رندِ خیرآباد کو ہے عابد دل پر امتیاز

رندِ خیرآباد کو ہے عابد دل پہ امتیاز
علمِ "عبد الحق" کو جیسے عالموں پر امتیاز

بس عقیلؔ اب سن چکے دیکھو نہ پوچھ اٹھے کوئی
کیا ہوئے حاصل تھا جنکو شاعروں پر امتیاز

کوثرؔ و مضطرؔ و سیمؔ بے زباں اب کیا ہوئے
کیوں "لسان الملک" ہے خاموش اف سب کیا ہوئے

حضرت ریاض

وہ لوگ جنہوں نے ریاض کو صرف سنا ہے دیکھا نہیں وہ انکی شخصیت کا راز صرف انکی "خضر صورتی" میں مضمر سمجھتے ہونگے —— انہوں نے کاش ریاض کی وہ تصویر ہی دیکھی ہوتی جو مرحوم نے اپنے ایک شعر میں یوں کھینچی ہے ؎

بڑے نیک طینت بڑے صاف باطن | ریاض آپکو کچھ ہمیں جانتے ہیں

نو ساخت نو طرز نو ایجاد تھرے بٹن کی جسم میں پھنسی ہوئی اچکن جس پر لفظ "ریاض" سلمے کے کام سے نمایاں طور پر کڑھا ہوا —— بڑی اور کھڑی مونچھیں کبھی بل کھائی ہوئی کبھی تنی ہوئی ایک فٹ کئی انچ جس کی توصیف میں خود کہا ہے ؎

چوٹیاں جتنی تھیں چھوٹی ہو گئیں | میری مونچھیں انکی چوٹی ہو گئیں

یہ ہے ریاض کی وہ تصویر جس پر ایک زمانہ میں ایک زمانہ کی نگاہیں پڑ رہی تھیں

دنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاض پر | کس نوک کا جواں ہے کس آن بان کا

"فتنہ" آہ چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار جو مذاق کی شگفتگی شستگی اور پختگی —— اور تخیل کی جدت ندرت اور نزاکت کی گویا کھنچی ہوئی روح تھا۔ ہلکے رنگ

سے رنگے ہوئے اور کٹے ہوئے ورق گویا ورقِ گل ۔۔ پاکیزہ خفی خط
حسین سیاسی کارٹون دلچسپ اسکیچ منتخب اشعار اور چھوٹے چھوٹے پیارے
پیارے مقامی سیاسی ادبی و کاہی مضامین ۔۔۔۔ یہہ تھا فتنہؔ یہہ فتنہ
تھا کہ پیام یار جو دل سے زباں پر آگیا جو دماغ نے قلم کے سپرد کردیا ؎

چھانٹا وہ دل کہ جسکی ازل میں تھی / لیلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

کوئی اسے فتنہ کہے یا قیامت میں تو ریاض کی رنگین زندگی کا ایک خوشنما
ورق سمجھتا ہوں

فتنہ کو پوچھتا ہے کوئی اہل دل کیا تھا / چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

میں یہہ سطریں لکھ رہا ہوں اور حضرت مرحوم کی تصویر آنکھوں کے سامنے
پھر رہی ہے ۔

وہ ان کی پروقار اور یادگار باتیں وہ انکی دلکش و دلچسپ عجیب و غریب
آپ بیتی ۔ وہ ان کے عالمِ جوانی کے رندانہ مگر اولوالعزمانہ کارنامے اور
وہ ان کے عالم ضعیفی کے جوانوں کو شرما دینے والے حوصلے! وہ ان کی
ہمت وہ انکا استقلال وہ انکی وضعداری اور وہ انکی رفتار گفتار کردار ۔
وہ انکی ادب و شعر پر تقریریں جس کے درمیان اسیرؔ سے لیکر امیرؔ تک
اور دربار مصطفےٰ باد سے لیکر حیدرآباد تک اور غدر سے پہلے شاہی اور
غدر کے بعد تباہی تک کی خود انکے الفاظ سے کھنچی ہوئی بولتی تصویریں ۔۔
وہ انکی بے انگریزی جانے "انگریزدانی" کے سلسلے میں واقفیت و سیاست
جو سرسید تا محمد علی خود انکی آنکھ کی دیکھی ہوئی اس لئے سمجھی ہوئی بلکہ

برتی ہوئی تھی۔
ان کی گفتگو کیسی تھی ایسی جیسے ساون کی جھڑی وہی ہلکا ہلکا مدھم مدھم دل کو ٹھنڈک اور روح کو تراوٹ بخشنے والا اثر جو ساون کی جھڑی میں ہے وہی اثر ان کی گفتگو میں تھا۔ طبیعت کیسی ہی منغض ہو مزاج کیسا ہی مضمحل ہو ان کا سامنا ہوا اور افسردگی و پژمردگی شگفتگی اور خندیدگی سے بدل گئی۔ ان کی شگفتگی میں ایک کشش تھی جو اپنے اثر سے دوسروں کو بھی شگفتہ کر دینے کی قوت رکھتی تھی۔
رمضان شریف کا زمانہ یوں بھی مسلمانوں کی معاشرت میں ایک عجیب دلچسپ قومی خصوصیت رکھتا ہے۔ افطار و سحری کی دل کو تفریح بخشنے والی چہل پہل اور نماز و تراویح کا روح کو تازگی عطا کرنیوالا جوش و خروش بجائے خود دلکش ہے نہ کہ اس موسم اسلامی میں حضرت قبلہ مرحوم کے مخصوص سین! ماہ رمضان المبارک میں ضعف گرسنگی اور تشنگی کے خلاف مظاہرہ کے طور پر حضرت کی وہ دن رات قابل دید بیخودی! وہ نسیان کا پر لطف غلبہ اور وہ ان کا پوری توجہ سے بات کا سننا اور پھر بات پڑنے پر اس سنی ہوئی بات سے وہ ان کا صاف مکر جانا اور اپنا کچھ نہ سننا خود مزے لے کر بیان کرنا — وہ ان کا پان نہ کھا سکنے سے تمام دن کھویا کھویا سا رہنا لیکن اس کے باوجود جوش مذہبی میں پیری کو خاطر میں نہ لاکر وہ ان کا پورے عزم جوانانہ کے ساتھ تیسوں روزے رکھنا اور پھر اپنی ضعیفی کا یہہ کہکر رونا رونا

اللہ رے ضعف نہ ایک بھی روزہ ٹوٹا

اور وہ ان کا سہ پہر ہی سے افطار کے اہتمام میں دھوم دھام سے خود شرکت کرنا اور دوسروں کو بھی خواہ مخواہ شریک کرنا ۔

تو نہ تھا حیف یقیں ورنہ دوانہ ہوتا   میں نے اسطرح کی دیکھی ہے وہ روداد کہ بس

وہ بوڑھوں میں بوڑھے تھے تو جوانوں میں جوان اور بچوں میں بچہ ــــ انکی یہہ وہی مزاجی کیفیت تھی جس نے ان کی شاعری پر اثر انداز ہو کے ایک غیر محسوس اور محیر العقول طریقہ سے ان کی شاعری کو قبول خاطر کی سند ایک عالم سے دلوادی تھی۔

وہ ایک قدامت پرست پرانے اسکول کے بزرگ تھے مگر یہ نہ معلوم کیا تھا کہ پھر بھی ان کی شاعری کبھی کسی ایک حلقہ میں مخصوص و محدود نہیں رہی ہمیشہ سب سے خراج تحسین حاصل کرتی رہی ــــ کیا معلوم نہیں ان کی شاعری کے قدردان لکھنوی بھی تھے اور دھلوی بھی۔ ان کے خیالات انگریزی خوانوں کو بھی اتنے ہی اپیل کرتے تھے جتنے فارسی دانوں کو۔

وہ رام پور میں بھی اسیقدر مقبول تھے جسقدر سیتاپور میں!!

شعر و شاعری میں جو خصوصیت انہیں حاصل تھی وہ تو تھی ہی مجھے حیرت ہے کہ نثر میں بھی وہ یگانہ روزگار تھے ان کی نثر کلاسیکل نثر تھی جسکے وہی باقی تھے اور وہی خاتم!

ریاض الاخبار کی ادبیت اور فتنہ کی ظرافت ان کی سموئی ہوئی طبیعت اور ذہانت کا ایک مکمل مرقع اور جیتا جاگتا مظاہرہ تھا۔

ریاض کے کارنامے دنیا بھول چکی ہے مگر تاریخ ادب نہیں بھول سکتی
ریاض الاخبار اور فتنہ کا معیار صحافت اور ظرافت آج تک ٹکسالی
ہے ان کا ناول "حرم سرا اور نظارہ" اب بھی انشا پردازی کا مثالی
نمونہ ہے اور انکی خاص انداز کی نحیف و لطیف مکتوب نگاری ہنوز ایک
"مرقع ادب" ہے۔

ان کے معاصرین میں ان کی ممتاز حیثیت کا اندازہ کرنا ہو تو مہاراجہ
محمود آباد راجہ کشن پرشاد اور سرہار کورٹ بٹلر اور مولوی سبحان اللہ خاں
میر ناصر علی اور یم مہدی حسن کے "افادات" کا مطالعہ کرو
حجتہ الاسلام مولینا عبدالماجد دریابادی۔ علامہ مشرقی سید سلیمان ندوی
صاحبہ نگار جناب نیاز فتحپوری اور "نقاد اردو" پروفیسر رگھوپتی سہائے
فراق کی تنقیدیں پڑھو اور دیکھو کہ نئے اور پرانے بڑے اور چھوٹے
سب ان کو یکساں مان رہے ہیں یا نہیں؟ ہندوستان ماتم کناں ہے کہ
اردو زبان کا ایک شاعر دنیا سے اٹھ گیا۔

اب کہاں لوگ اس طبیعت کے
شاعری تھی ریاض کے دم تک

مگر میں روتا ہوں کہ ایک شاعر نغز گفتار ہی نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا نثر نگار ایک خطیب
سحر کار ایک رند وضعدار ایک مسلم دیندار اور ایک وطن کا پرستار اس دنیا سے اٹھ گیا۔
حضرت ریاض مرحوم حقیقی معنوں میں مشرقی تہذیب و تمدن کا آخری نمونہ تھے

یادگار شمع تھی محفل میں پروانے کی خاک
صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا

عقیل احمد جعفری

مختصر واقعاتِ زندگی

حضرت ریاض کی ولادت ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) خیر آباد میں ہوئی جو ضلع سیتا پور (اودھ) کا مشہور مردم خیز قصبہ ہے۔ آپ کے والد ماجد مولوی سید طفیل احمد صاحب بڑے پایہ کے عالم تھے۔ آپ کا نسب حضرت مخدوم شیخ سعدؒ کے خلیفہ حضرت قاضی سید بخشؒ کے سلسلے سے حضرت سید شاہ شجاع کرمانی تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباء کرام میں اکثر حضرات سلاطین روزگار کی جانب سے معزز عہدوں پر مامور ہوتے رہے۔ خیر آباد کا عہدۂ قضا آپ ہی کے خاندان سے مخصوص تھا جس کے صلہ میں شاہان وقت کی طرف سے جاگیریں بھی عطا ہوئیں تھیں جو کم و بیش غدر کے زمانہ تک باقی رہیں۔ خیر آباد کا محلّہ "قضیارہ" اسی عہد کی یادگار ہے بالکل اسی طرح جیسے سیتا پور میں محلّہ فتن سرائے" آپ کے نانہالی جدِ اعلیٰ ابو الفتح "حضرت سید فتن" کی یادگار ہے۔

حضرت قاضی بخش صاحب کا مزار مکانِ ریاض سے متصل ہے اور

انہیں کے زیر سایہ ریاض و بزرگان ریاض محو خواب ہیں۔

حضرت ریاض نے ابتدا میں فارسی اپنے والد ماجد سے پڑھی اسکے بعد مولوی حافظ سید نبی بخش صاحب مرحوم کے مدرسہ عربیہ میں داخل ہوئے ابھی وسطی درجوں تک پہنچے تھے کہ شاعری کا شوق دامنگیر ہوا آپ امیر کے شاگرد ہوئے امیر مرحوم کی ضعیفی کا زمانہ تھا اس لئے بعد کو ان کے مشورہ سے اپنا کلام بغرض اصلاح منشی امیر احمد صاحب کو رامپور بھیجنا شروع کیا۔

اپنے استاد سے شاگرد کو کس درجہ عقیدت تھی اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

مہاراجہ محمود آباد نے ایک مرتبہ حضرت ریاض سے فرمایا ریاض اگر اسوقت امیر زندہ ہوتے تو وہ تم پر فخر کرتے آپ نے عرض کیا ایسا نہ فرمائیے وہ استاد تھے۔ مہاراجہ یہ جواب سنکر بھی جب اپنی رائے پر قائم رہے تو حضرت ریاض نے اپنا ایک شعر سنایا ؎

نسیم آئی ہے شمع مزار گل کرنے وہ اسکے آنے سے پہلے ہی بجھ گئی ہوگی

اس کے بعد کہا کہ اس شعر میں استاد نے کوئی لفظ بدلا نہ گھٹایا بلکہ ایک لفظ بڑھا دیا

نسیم (اب) آئی ہے شمع مزار گل کرنے وہ اسکے آنے سے پہلے ہی بجھ گئی ہوگی

یہ اصلاح سنکر مہاراجہ بہت متاثر ہوئے

۱۸۷۲ء میں "لمع درخشاں" کے تاریخی نام سے خیر آباد ہی میں ایک مطبع قائم کرکے ریاض الاخبار جاری کیا جس کی نثر میں بھی شاعری کا لطف اٹھا

ادبی حیثیت کے علاوہ ریاض الاخبار کی رائے قومی اور ملکی معاملات میں بھی بہت مستند اور باا ثر سمجھی جاتی تھی

ریاض الاخبار ہی کے سلسلے میں خیرآباد ہی سے "روزانہ تار برقی" بھی نکالا۔ ۱۸۷۹ء میں خیرآباد سے شعر وسخن کا ایک ماہنامہ "گلکدۂ ریاض" بھی جاری کیا۔ اردو زبان کا یہ پہلا موقر اور مستند پرچہ تھا جس میں مشاہیر اساتذہ اور والیان ریاست کی غزلیں "طرح" پر شائع ہوتی تھیں

۱۸۸۱ء میں ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ایما سے آپ اپنا اخبار گورکھپور لے آئے۔ وہ گورکھپور جہاں اپنے والد کے ساتھ (جو وہاں کورٹ انسپکٹر تھے) وہ اپنا عہد طفلی اس طرح گذار چکے تھے۔

> ریاض کے ساتھ گورکھپور کے امرا ہندو مسلمانوں کی جو نئی پود بڑھ رہی تھی گویا ایک بھرپور بے شمار خوشبودار پھولوں کا باغ تھا جس میں ریاض بلبل شیراز بنا ہوا تھا۔ گورکھپور کی جوان ہونے والی جماعت سے لیکر بڑھاپے تک نہ پہنچنے والی تک کی ہر جماعت صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک بے ریاض کے زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی۔

اس انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حضرت ریاض کو اپنی پیشکاری میں لیا۔ آپ نے اپنا فرض منصبی کس خوبی سے پورا کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گورکھپور سے تبادلہ کے بعد علیگڈھ میں پھر اس انگریز کو آپ کی ضرورت پڑی۔ حضرت ریاض حالانکہ اپنے انگریز دوست کے تبادلہ کے

بعد ملازمت سے مستعفی ہوچکے تھے مگر پھر انہوں نے اس کی صدا پر لبیک کہا اور چھ مہینے تک پھر ان کا قلم مسٹر ڈیوس کی سپر بنا رہا۔ گورکھپور میں پورا پولیس کا محکمہ اور کلکٹر ضلع حضرت ریاض کے فہم و تدبیر کی وجہ سے مسٹر ڈیوس کا بال بیکا نہ کر سکے تھے یہاں بھی حضرت ریاض نے عزت کیساتھ اس کو بری کرا کے چھوڑا

اس زمانہ میں نواب کلب علیخاں کے دربار میں آپ کی طلبی ہوئی خلعت اور زر نقد سے ممتاز ہوئے اور قیام کیلئے ایما ظاہر کیا گیا مگر آپ جس طرح حیدرآباد کی پابندی اپنی گورکھپور کی اخباری بادشاہت کے مقابلہ میں نہ منظور کر سکے تھے اس طرح رامپور ٹھہرنا بھی گوارا نہ کر سکے۔

۱۸۸۳ء میں گورکھپور ہی سے آپ نے فتنہ اور عطر فتنہ جاری کیا جو اپنی صوری اور معنوی ادبی اور فکاہی چند در چند خصوصیات کی بنا پر اپنا ثانی آپ تھا۔

اس فتنہ کی نسبت میر ناصر علی اڈیٹر صلائے عام" ایک مرتبہ یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

"اگر ولایت میں ایسے لکھنے والے ہوں تو ایک نہ ایک دن وہ سکریٹری آف اسٹیٹ ہوکے رہیں"

فتنہ کی غیر معمولی آزادی اور حکام پر بے جھجک گرفت کے نتیجے میں علاوہ ان سب مقدمات کے جو بعد کو سب بحال ہوئے ایک معرکہ خیز واقعہ یہ بھی ہوا کہ حضرت ریاض پر حملہ ہوا اور وہ مجروح ہوئے جس کے تفصیلی ذکر اور

غیر معمولی ہمدردی سے اس زمانہ کا اردو پریس بھرا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں بندرابن کی ایک پری پیکر" یدبہ. خبرِ وحشت اثر سنکر کیا گذری اس کا حال اسیکی زبان سے سننے کے قابل ہے۔

واہ رے لے ریاض رنگیں طبع زخم کھا کر بھی تو پھلا پھولا

تیری ہمدردی میں جو آواز ملک سے بلند ہوئی کیا اس سے میرے اشکوں کی سرخی کم ہوسکتی ہے ۵ رجون کی شام گذرنے کو گذر جائے مگر ہمیشہ شفق شام تیرے زخم خونچکاں کی یاد دلوا کر مجھکو لہو کے آنسو رلوائی رہے گی

گر میرے اشک سرخ سے رنگِ حنا ملے جو چور کی سزا ہے وہ مجھکو سزا ملے

چاہتی ہوں ریاض کی ہمدردی میں رنگِ فغاں کو با اثر بنانے کے لئے زبان عنادل کاٹ کر منہہ میں رکھ لوں۔ اف اف اس نازک طبع پر کیا گذری ہوگی جس کا یہہ شعر ہے ؎

ہم سے دیوانے ریاض اور کہاں نازک طبع کہ جو وہ پھول سے بھی ماریں تو فریاد کریں

فتنہ کی یہہ تحریر دیکھ کر حضرت ریاض کی اس زندگی کا کچھ سراغ مل سکتا ہے جو گورکھپور کے اس دور سے متعلق ہے کہ جب وہ شاعری میں شاعری کی ایک خاص صنف "عاشق خود دار" کے موجد کی حیثیت سے اردو لٹریچر کا دامن اس قسم کے اشعار سے بھر رہے تھے ؎

بھلی معلوم ہوتی ہیں مجھے بھی میری باتیں حسینوں کی زباں سے

"شاہدانِ ناز" فتنہ کا ایک خاص موضوع تھا جس کے ذیل میں بقول مولنا

حسرت موہانی ایسے ایسے لطیف مضامین شایع ہوئے ہیں جن کو دیکھکر طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے۔

۱۸۸۵ء میں روزانہ "صلح کل" ایک لیمیٹیڈ کمپنی قائم کرکے جاری کیا اور اپنی ذمہ داری کے احساس سے اس میں اس قدر غیر معمولی محنت کی کہ بقول قاضی تلمذ حسین صاحب دوسرا شخص اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان اخباری ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ایک اور ادبی شغل بھی جاری تھا وہ تھا بعض انگریزی ناولوں کا ترجمہ۔ ۱۸۹۰ء اور ۱۸۹۱ء میں حضرت ریاض نے رینالڈس کے دو ناول لوز آف دی حرم اور مس ایلن پرسی کا ترجمہ (انگریزی نہ جاننے کے باوجود) "حرم سرا" اور "نظارہ" کے نام سے شایع کیا۔ نظارہ میں یہ التزام رکھا تھا کہ کوئی لفظ اضافت کے ساتھ نہ آنے پائے۔ ایک اور ناول کا سلسلہ "تصویر" کے عنوان سے ریاض الاخبار میں شروع کیا تھا مگر وہ مکمل نہ ہو سکا۔ ۱۹۰۷ء میں حضرت ریاض جو گورکھپور کی خاک میں ملنے کے آرزومند تھے اور جو خیرآباد میں بھی اس طرح رہتے تھے گویا ہر وقت عازم گورکھپور رہیں مہاراجہ محمود آباد کی کشش سے مجبور ہو کر معہ ریاض الاخبار لکھنو چلے آئے ؎

ریاض جو تھی مقدر میں بازگشت شباب   جوان ہو گئے پیری میں لکھنو آئے

یہاں ایک ناکردہ گناہ کو الزام قتل سے بری کرانیکی سعی کے نتیجے میں ملزم پھانسی سے تو بچ گیا مگر کالا پانی سے نہ بچ سکا۔ اس واقعہ سے حضرت ریاض اس قدر متاثر ہوئے کہ قبل از وقت بوڑھے ہو گئے اور ان کی بڑی اونچی مونچھیں لمبی اور نیچی ڈاڑھی میں بدل گئیں یہانتک کہ اپنے اخبار وغیرہ

سے بھی انھوں نے قطع تعلق کر لیا اور محمود آباد پنشن پر قناعت کر کے خیر آباد میں خانہ نشین ہو گئے ۱۹۲۷ء میں سیتاپور میں بہ یادگار امیر مینائی "امیر المطابع" قائم کیا اس پریس میں حرم سرا کا دوسرا اڈیشن شایع کیا اور یہیں سے اپنے ماموں زاد بھائی جناب سید محمد عسکری صاحب وسیم کے اہتمام سے آپ نے پھر "دامنِ گلچیں" کی یاد میں "گلچیں" جاری کیا

حضرت مرحوم کی تمام صفات میں ام الصفات ان کا خلوص تھا۔ وہ بہت جلد دوسروں کی نسبت اچھی رائے قائم کر لیتے تھے۔ وہ محبت کے پتلے تھے۔

ان کی مذہبیت بھی رواداری کا عجیب و غریب نمونہ تھی۔ وہ سنّی تھے مگر مناظرہ سے ہمیشہ متنفر رہے وہ وارثی تھے مگر احرام کبھی نہیں باندھا۔ وہ مسلمان تھے مگر جواہر لال کی وقعت کرتے تھے۔ وہ ہندوستانی تھے مگر انگریزوں کی ہر ادا کو خوامخواہ بری نظر سے نہ دیکھتے تھے۔

نماز پانچوں وقت پڑھتے تھے اور خضوع و خشوع سے روزے تیسوں رکھتے تھے اور اس عمر میں! وہ اس عمر میں بھی اس انہماک استغراق اور دلچسپی کیساتھ زندہ تھے جیسے وہ جوان جسے مستقبل میں اپنی محنت اور اپنی عمر سے بہت سی امیدیں ہوں

اس ضعیفی میں بھی انکی محنت کا یہ عالم تھا کہ اپنا پورا دیوان مسودوں سے خود ہی صاف کیا اور پورے شرائط خوشنویسی کے ساتھ صاف کیا۔ ان سب خطوں کا جواب جو ملک کے ہر گوشہ سے ہر روز ان کے نام آتے رہتے تھے خود لکھتے تھے اور لطیف انشا پردازی کے ساتھ لکھتے تھے وہ آخر عمر تک بغیر

چشمہ لگاے لکھ لیتے تھے اور چاندنی میں پڑھ سکتے تھے
۲۰ر جولائی ۳۲ء مطابق ۷ر ربیع الثانی ۵۳ھ ۸۱ سال کی عمر میں جان
جان آفریں کو سپرد کی اور خیرآباد میں خاندانی قبرستان میں سپرد خاک
کیے گئے۔

نواب حاجی غلام محمد خانصاحب مہاجر خیرآباد نے مدینہ منورہ میں آپ کے
انتقال کی خبر سنکر مسجد نبوی میں کلام پاک ختم کرایا اور اس طرح گو آپکا
انتقال خیرآباد میں ہوا مگر یہہ نسبت مدینہ شریف سے قائم رہی کہ

نام کے نقش سے روشن یہہ نگینہ ہوجاے
مروں کعبے میں تو رخ سوے مدینہ ہوجاے

خودنوشت

حضرت ریاض کے بعض قصہ طلب مقطعوں کی طرح انکی سیرت کے مادی نمونے "فتنہ" کے بعض لوکل بھی افسانہ بنا رہیں۔
ایک مرتبہ فتنہ کے ایک لوکل "بلیا تبدیل" کے متعلق ایک گفتگو میں اس لوکل کی حضرت مرحوم نے کچھ ایسی دلچسپ تشریح کی کہ مجھے دوسرے معمہ نما لوکل کے خبروں کے حل کی فکر ہو گئی ــــ میں نے فتنہ کے کچھ لوکل چھانٹے اور ایک موقع پر حضرت سے استدعا کی کہ وہ ان لوکل خبروں کے متعلق اپنے معلومات سے مستفیض فرمائیں ــــ حضرت مرحوم یوں تو اصلاح سے خصوصاً اور لکھنے پڑھنے کے فرمایشی کام سے عموماً بہت گھبراتے تھے لیکن اس وقت نہ معلوم کیوں خوشی سے یہ درخواست منظور کرلی ــــ اس کے بعد یہ ہوا کہ کبھی کبھی شام کی نشست میں آپ میرے لکھے ہوئے عنوان میں کوئی نہ کوئی ٹکڑا لے بیٹھتے اور اس کے متعلق گفتگو ہونے لگتی مگر اس گفتگو کی نوبت اکثر مہینوں کے بعد آتی اور دو چار روز بھی

مسلسل نہ جاری رکھ سکتی ـــــ فتنہ کے لوکل حل کرتے کرتے اکثر دوسری غیر متعلق دلچسپ باتیں چھڑ جاتیں اور اس ذیل میں بے ارادہ کبھی کبھی "آپ بیتی" بیان ہونے لگتی ۔ رفتہ رفتہ ان متفرق اور مختلف بیانات نے ایک اچھی خاصی "خود نوشت" کی صورت اختیار کر لی یہی خود حضرت ریاض کی بیان کی ہوئی وہ خود بیتی ہے جس کا ایک حصہ جناب نیاز فتحپوری کی فرمائش پر خود حضرت مرحوم کے قلم سے مرتب ہو کر "ریاض آپ اپنے آئینے میں" کے عنوان سے "نگار" میں شائع ہوا

بہر حال میں خوش ہوں کہ اس سلسلہ میں کسی نہ کسی طرح کچھ نہ کچھ کام میرے ہاتھوں ہو گیا ـــ شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

سیّد ریاض احمد خلف مولوی سید طفیل احمد کرمانی الخیرآبادی

دس سال کی عمر سے اپنے والد ماجد کے ہمراہ میں گورکھپور گیا وہیں عربی تعلیم کا سلسلہ مولوی حکیم سید فیاض حسین صاحب مرحوم مشہور رئیس سوداگر محلّہ سے شروع ہوا فارسی اپنے والد ماجد سے حاصل کی ۔ پندرہ برس کی عمر تھی کہ خیرآباد آکر مولوی حافظ سید نبی بخش صاحب مرحوم کے مدرسہ عربیہ میں داخل ہوا

میرے مورثِ اعلیٰ سید شاہ شجاع والی کرمان نو سو سال پیشتر اس نواح میں آئے خدمتی اقوام کے قبائل بھی ہمراہ تھے شاہی خاصہ تراش کا خاندان

اب بھی ہمسایہ موجود ہے

میرے اجداد میں قاضی بخش صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز اولیاء کرام سے گذرے ہیں جن کا ذکر تذکرۃ الاولیا میں ہے۔ آپ حضرت شیخ سعد رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ مزار حضرت قاضی بخش صاحب کا مکان مسکونہ سے متصل ہے اور انہیں کے زیر سایہ میرے بزرگ خواب راحت میں ہیں

میرے بچپن سے جب اٹکھیلیاں کرتا شباب آیا

یہی وہ نازک زمانہ ہے جس کا آغاز جتنا خوش آیند ہے اتنا ہی خوفناک بھی۔ شباب کی اٹکھیلیاں بچپن ہی سے ہو رہی تھیں کہ میں نے مدرسہ عربیہ خیرآباد کو خیرباد کہا تعلیم سے طبیعت کا اچاٹ ہونا اس وحشت کا نتیجہ تھا جو شاعری بدرس عشق کی طرف رجوع کرنیکو اپنے ساتھ لائی تھی۔ شمس العلماء مولینا عبدالحق صاحب علامہ خیرآبادی آرزومند تھے کہ ریاض زانوے ادب میرے درس میں تہہ کرے مگر بدنصیبی نے یہہ موقع کھو دیا۔

سیتاپور کے بعض مشاعرے

میں نے ابتدائے مشق سخن کے لئے دیوان غالب کو پسند کیا تھا۔ دیوان غالب کے اشعار پر بہ ترتیب قافیہ پیمائی کرتا۔ کلام جناب تدبیر الدولہ مدبر الملک منشی مظفر علیخاں اسیر شاگرد مصحفی کو دکھاتا۔ اسیر مرحوم مجھ سے محبت بہت کرتے مگر مرحوم کی خدمت سے میں اکثر اس لئے پژمردہ واپس ہوتا کہ جناب اسیر بساط نشینان صحبت کو میرے اشعار "بوجھئے" کہکر سناتے۔ یہ امر خفت کا باعث ہوتا

یہانتک کہ آخر میں اس خاص رنگ کا دیوان اور کلام تلف کردینا پڑا طبیعت صفائی کلام اور صحت کی طرف رجوع ہوگئی ــ سیتاپور و خیرآباد میں مشاعروں کا زور تھا خیرآباد کے مشاعروں میں حضراتِ سیتاپور بخصوصیت شریک ہوتے۔

سیتاپور کے مشاعروں نے پچھلی نمود کو اور ترقی دیدی تھی۔ شیدا لکھنوی۔ وفا سیتاپوری۔ نطق کاکوروی۔ میر تجمل حسین تجمل نیز دیگر مشاہیر کا کلام بزم سخن کی رونق تھا ایک خاص مشاعرہ کا انعقاد مولوی سید محمد صادق صاحب مرحوم وکیل سیتاپور کی کوٹھی پر ہوا۔ اہتمام آپ کے خلف الرشید مولوی حاجی سید محمد اسمٰعیل کا تھا۔ میرے جنونِ شاعری کو ترقی تھی لکھنؤ کی مسلسل آمد و رفت کو اور سونے پر سہاگہ ہی سمجھئے۔ مجھے بھی شرکت کے لئے مجبور کیا گیا ذیل کا شعر اس وقت کی طرحی غزل کا ہے جس کو ابتدائے مشق سے تعلق ہے ؎

شہیدِ نازِ خوابِ مرگ سے گھبرا کے اٹھ بیٹھے
تری ٹھوکر بھی ان سے چل گئی فقرہ قیامت کا

اب میں نے امیر مرحوم کے فرمانیسے اپنا کلام بغرض اصلاح امیر مینائی کی خدمت میں رامپور بھیجنا شروع کیا تھا اور جب تک امیر مرحوم حیات رہے کسی کو بغیر اصلاحی شعر نہ سنایا نہ شایع کیا

سیتاپور کے ایک مشاعرہ میں میر تجمل حسین صاحب تجمل مرحوم کی غزل بہت شہرت پاچکی تھی۔ میرے پاس بھی ان کا یہہ مشہور مصرع بھیجا گیا ؎

مجھکو رہنے دیجیے نیکی بدی کے واسطے

میں نے بھی غزل کہی جس نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ بعض اشعار درج ذیل ہیں۔

غم مجھے دیتے ہو دشمن کی خوشی کیواسطے
کیوں برے بنتے ہو ناحق تم کسی کیواسطے

لوٹتے ہیں کاتب اعمال یوں آنکھوں میں لطف
حاصل عصیاں ہے گویا آپ ہی کیواسطے

دونوں عالم تنگ ہیں کچھ اور وسعت چاہئے
پاؤں پھیلانے کو میری بیکسی کیواسطے

لطف ہے مل جل کے دونوں سے رہی اک وضع خاص
کچھ بناوٹ بھی ہو تیری سادگی کیواسطے

پاس آداب بزرگی ہے یہ ایں وضع جنوں
جب ملے ناصح جھکے ہم بندگی کیواسطے

حشر میں او کاتب اعمال کچھ تو ہو شریک
ساتھ رکھا تھا تمہیں نیکی بدی کیواسطے

جی نہ مانا حضرتِ ناصح کو آتے دیکھکر
کچھ یونہیں تھوڑی سی پی لی دلگی کیواسطے

سال پلٹے کے خم پھیری کو نکلے ہیں ریاض
میکدے کچھ وقف ہیں ان شاہ جی کیواسطے

اس کے بعد ہی امیر مینائی کی ایک مشہور غزل کا مصرع سیتاپور میں طرح دیا گیا ع "آواز نہ میں منوں گجر کی" مشاعرہ بہت ہی خاص اہتمام سے تھا جو دن کو شروع ہو کر نماز فجر کے وقت میری غزل پر ختم ہوا - میرے روبرو مولوی عبدالغنی صاحب وکیل سیتاپور شاگرد و خویش حکیم مومن خاں مرحوم دہلوی بیٹھے ہوئے تھے - شرعی لباس لمبی ڈاڑھی - صوم وصلواۃ کے پابند نہایت خوبیوں کے بزرگ تھے - میں نے آپکو متوجہ کر کے مقطع کچھ اس انداز سے پڑھا کہ تمام مشاعرہ کو لطف آگیا - ممکن ہے مولانا کو کچھ ناگوار بھی ہوا ہو۔

شرما ؤ ریاض بیکشی سے
لمبی ڈاڑھی ہے ہاتھ بھر کی

اسیطرح ایک مشاعرہ سیتاپور میں ذیل کا مقطع پڑھنے پر میں جس طرف سے

گذرتا تھا لوگ تبسم کرتے تھے

پھرتا تھا اس گلی میں عجب وضع سے ریاضؔ   اک پشتِ خار ہاتھ میں اور سر گھٹا ہوا

اس سلسلے میں ایک دوسرے مقطع کا بھی ذکر بے موقع نہ ہوگا جس سے مجھکو خفیف ہونا پڑا۔ منشی سجاد حسین صاحب مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ نے شیخ چلی نام ایک ناول شایع کیا جس کے ٹائٹیل پر شیخ چلی کی تصویر نہایت مضحک دی گئی تھی اور اس پر جلی قلم سے ذیل کا مقطع درج کیا گیا تھا جو دیکھتا سمجھتا ریاض کی تصویر ہے۔

دیکھکر ہنستے ہو کیا تم صورتِ پاکِ ریاضؔ   یہہ بڑے پہنچے ہوے اللہ والے لوگ ہیں

اس زمانہ کا ایک اور مقطع بھی میرے لئے بار بار پریشانی کا باعث ہوا منشی رتن ناتھ سرشار آنجہانی نے فسانۂ آزاد میں میری یہہ غزل شایع کی۔

دل کسی طرح چین پا جائے   غیر کی آئی مجھکو آجائے

جان لو کچھہ گذر گئی اس پر   منہہ چھپائے جو کوستا جائے

ہے ریاضؔ اک جوان مست خرام   نہ پئے اور جھومتا جائے

مقطع خصوصیت کے ساتھ ہندوستان میں مشہور رہے جو زیادہ تر بدگمانی کا سبب ہوا

سرشار مجھ سے بے تکلف تھے ہم مشرب بھی سمجھتے تھے ریاض الاخبار کے نامہ نگار بھی تھے۔ ایک روز آپ نے مجھ کو پیام دعوت دیا۔ سرشار نزہی کے قریب مقیم تھے میں وہیں گیا دو پہر سے زیادہ وقت گذر گیا آخر سرشار نے گاڑی منگائی اور مجھکو لیکر مرے کمپنی کے ایک خاص کمرہ میں

داخل ہوئے۔ سرشار بار بار یہہ مصرع پڑھتے تھے۔

نہ پئے اور جھومتا جائے

بات کہتے میز پر وہ سامان آگیا میں نظم میں جس کا خوگر تھا۔ میرے ہوش شیشہ کی پری نکراڑے مگر سرشار کے خوش کرنے کو اس سے پیشتر کہ بوتل سے جام میں اور جام سے لب تک آئے میری باچھیں کھلی ہوئی تھیں دفعتاً میں سرشار سے دو منٹ کہکر اس طرح اٹھا گویا ابھی رفع ضرورت کے بعد واپس آتا ہوں مگر واپس آیا تو کب اور کہاں بیس سال بعد دکن میں حضور مہاراجہ پیشکار بہادر کے کاشانہ پر! یہاں میں سرشار کا مہمان نہ تھا البتہ مہاراجہ پیشکار بہادر کی طرف سے میری خدمت مہمانداری انہیں کے سپرد تھی ــــ دکن میں بھی اسی مقطع کی وجہہ سے اس سے ملتا جلتا واقعہ پیش آیا۔

میں ایک شب جریدۂ روزگار مدراس کے اڈیٹر سے ملنے انکی قیام گاہ پر گیا ۱۸۵۷ء والے دربار دہلی کے بچھڑے ہوئے مدت مدید کے بعد ملے۔ بہت سے احباب اور مشتاقین ریاض جمع ہوگئے۔ عفو صاحب بھی آئے اور دکن کے مشہور شاعر گرامی بھی ــ گرامی کے ہمراہ ایک موقر ایرانی شاعر بہ اصرار مجھکو اپنی فرودگاہ پر لے گئے دوچار ہم مشرب وہم مذاق بھی شریک صحبت ہوئے ـــ یہاں بھی تکلّف کے ساتھ میز پر وہی مرے کمپنی والا سامان آگیا میں نے بھی بظاہر دست شوق بڑھایا پھر کچھ جھجکا رکا استفسار پر کہا خوف روکتا ہے طبیعت مانتی نہیں جگر کے خراب ہونے سے ڈاکٹر نے ایک سال کیلیئے قطعی ممانعت کی ہے اس کا خیال ہے استعمال سے

ہلاکت واقع ہوگی ۔ انکار سے پارسائی کا یقین نہ ہوتا اور یقین ہوتا تو ایرانی شاعر پہ افشاء راز سے بنجاتی ان کا تعلق بھی مہاراجہ پٹیکار بہادر سے تھا "البشیر" اٹاوہ میں لمبے لمبے مضامین میری مے نوشی پر شایع ہوئے ہیں۔ قیام گورکھپور میں پارسائی ایسی تھی جیسے جنت میں رہکر کوئی مے طہور سے دستکش رہے۔

آج پینے کو طبیعت میری چاہی کیسی | توبہ کے پاس نے روکا لب کوثر مجھکو

دربار قیصری

جس زمانہ میں ریاض الاخبار ہفتہ وار اور گلدۂ ریاض ماہوار خیرآباد سے شائع ہوتا تھا (جس کے مطبع کا تاریخی نام "لمعہ رخشاں" تھا) اعلیٰ حضور جناب نواب کلب علیخاں بہادر خلد آشیاں نے مجھے میرے استاد حضرت امیر مینائی مرحوم و مغفور کے ذریعہ سے یاد فرمایا۔ میں اس وقت دربار قیصری میں شرکت کے لئے دہلی جانیکو شدت سے بیتاب تھا۔ اس سے پہلے دربار قیصری میں تمام اخبار نویس ہر صوبے سے مدعو تھے ان کا کیمپ خاص تھا خیمے بہ کمال تزئین و تکلف نصب تھے۔ دو اڈیٹروں کے لئے ایک خیمہ ضروری فرنیچر و اسباب آرام کے ساتھ مخصوص تھا۔ کھانے اور ناشتے کے لئے خاص سرکاری اہتمام تھا پر تکلف چاء ہر وقت تیار رہتی تھی چمن بندیاں اعلیٰ پیمانہ پر تا حد نظر ہر طرف تھیں ۔ میں معہ نظام احمد مرحوم مالک ریاض الاخبار دہلی گیا کیمپ کے سوا مولانا ابو المنصور مرحوم امام فن

مناظرہ کے دولت خانہ پر بھی مہمان بننا پڑا شب گذاری کا اتفاق وہیں ہوتا۔ کیمپ میں پنجابی اخبار کا خیمہ ہماری شرکت میں تھا مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے خان بہادر سید ناصر علی صاحب غالباً موجود نہ تھے بعد کو آگئے آپ کے چھوٹے بھائی سید نصرت علی صاحب مالک نصرت الاخبار دہلی کا زیادہ ساتھ رہتا۔ دن نو والیان ملک کے عالیشان پر فضا و فردوسی کیمپونمیں گذرتا جو دہلی کے باہر کوسوں تک پھیلے ہوئے تھے ہر طرف لہلہاتے ہوئے چمن زار۔ سجے ہوئے بازار انکی وضع و قطع ان کی آراستگی یہہ بھولا ہوا خواب کہانتک بیان کرسکتا ہوں۔ اسی گلگشت میں ظہیر و انور سے بھی شرف نیاز حاصل ہوا۔ میری باریابی نواب مردان علیخاں صاحب بہادر خیرپور سندھ کے حضور میں یہ امتیاز خاص ہوئی تھی۔ حضور نواب صاحب اور تمام دربار فارسی زبان کا استعمال کرتے تھے۔ مجھے مہاراجہ کشمیر کے کیمپ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس بنا پر کہ مہاراجہ اس سے پیشتر رونق افروز لکھنو تھے تو سیٹھ ستیارام صاحب تعلقدار لبواں جن کے روابط مہاراجہ سے تھے مجھے بھی اپنے ہمراہ لے گئے تھے مگر اس وقت مہاراجہ بعزم واپسی سوار ہو رہے تھے سرسری شرف تعارف حاصل ہوسکا۔ دربار دہلی کی تقریب میں سیٹھ صاحب موصوف بھی تشریف لائے تھے مجھے بھی مہاراجہ کے کیمپ میں ہمراہ لے گئے

دربار کیمپ کے قریب پہنچکر ہم نے دیکھا کہ درباری کیمپ سے شمس العلماء مولانا عبد الحق صاحب علامہ خیرآبادی کسی قدر منغص آرہے ہیں کشمیر کے

ایک اعلیٰ افسر بھی لجاجت کناں ساتھ ہیں۔ مولانا اسی تنفض کے ساتھ فنس پر سوار ہو گئے۔ ہم لوگ ایڈی کانگ کے ہمراہ خیمے میں آئے ہر طرف خاموشی تھی سیٹھ صاحب نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہے جواب ملا اس وقت واقعہ یہہ پیش آگیا ہے کہ شمس العلمار کے تشریف لانیکے واسطے بہ وقت مقرر کیا گیا تھا شمس العلمار تشریف لائے مہاراجہ براہِ تعظیم گوشۂ مسند پر جگہ دی مزاج پرسی فرمائی ساتھہ ہی حکم دیا کہ ولیعہد کے اتالیق کو تکلیف دو وہ بھی تشریف لائے مہاراجہ نے انہیں بھی شمس العلمار کے مقابل گوشۂ مسند پر جگہ دی —— ممکن ہے شمس العلمار کی نازک مزاجی نے اسے پسند نہ کیا ہو —— پھر مہاراجہ نے فرمایا مجھے مدت سے آرزو تھی کہ ایسے بلند پایہ علمار کا کسی مسئلہ پر مناظرہ دیکھوں یہہ سنتے ہی شمس العلمار نے برافروختگی کے ساتھ کہا مہاراجہ آپ نے مرغ اور بٹیر کی پالیاں دیکھی ہونگی علمار کی یہ شان نہیں ہے ساتھہ ہی اٹھ کھڑے ہوئے مہاراجہ کو عرق آگیا ان پر اس ناگوار واقعہ کا زیادہ اثر تھا ہم لوگ بھی بغیر ملاقات واپس آگئے۔

دوسرے روز مجھے معلوم ہوا کہ مہاراجہ کشمیر نے افسرِ اعلیٰ کے ذریعہ سے گیارہ پارچہ کا خلعت اور نقد دو ہزار روپے معذرت کے ساتھ شمس العلمار کی خدمت میں بھیجے۔ شمس العلمار نے بجواب کہا مجھے افسوس ہے کہ مہاراجہ نے براہِ قدردانی خلعت و نقد سے عزت افزائی کی مگر میں اس کے قبول کرنے سے معذور ہوں کیونکہ میں رئیس رامپور کا ملازم ہوں ——

یہہ پرچہ نواب مشتاق علی خاں بہادر ولیعہد رامپور کو ان کے کیمپ میں گذرا خلد آشیاں فرمانروائے رامپور بیماری کی وجہ سے دہلی آنے اور دربار قیصری میں شرکت سے معذور رہے تھے۔ پرچہ گذرنے پر ولیعہد بہادر نے خلد آشیاں کو اس واقعہ کی اطلاع تار پر دی۔ تار ہی پر جواب آیا ہماری طرف سے گیارہ پارچہ کا خلعت اور نقد دو ہزار پیش کرو۔

شمس العلما، جو کسی بات پر مدار المہام رامپور سے برہم ہو کر دہلی اس غرض سے آئے تھے کہ واپس نہ جائیں اور کسی ریاست میں ملازمت کریں۔ اس قدر افزائی پر دربار قیصری کے بعد رامپور چلے آئے اور پھر کبھی خلد آشیاں سے جدا نہ ہوئے۔

ایک لطیفہ

اول سر سالار جنگ بہادر نابالغ فرمانروائے دکن اعلحضرت میر محبوب علیخاں بہادر کی معیت میں رونق افروز اپنے شاہی کیمپ میں تھے وہیں ہم لوگوں کو اڈیٹر صاحب جریدۂ روزگار مدراس اور حیدر آبادی عفو صاحب سے ملنے کا بار بار اتفاق ہوا۔ ایک روز ہم لوگوں کو گشت میں شام ہو گئی شہر کو واپس آتے ہوئے پرنس آف ارکاٹ مدراس کے کیمپ میں جانیکا اتفاق ہوا نواب ناظر علیخاں بہادر خیر آبادی خویش پرنس آف ارکاٹ پرنس کے ہمراہ شرکت دربار کی غرض سے آئے ہوئے تھے ممدوح ہمارے اور نظام احمد مرحوم کے قریبی بزرگ عزیز تھے۔ دن میں سوا ناشتہ کے کچھ کھانے کا

اتفاق نہیں ہوا تھا اور جلد واپس ہونے کا قصد تھا۔ ۸ بجے شب کو واپسی کی اجازت چاہی مگر فرش پر دسترخوان بچھ چکا تھا۔ پہلے مجھ سے بہ اصرار کہا گیا مگر میں نے معذرت کی جب نظام احمد سے کہا گیا وہ بے تکلفا دسترخوان پر نظر آئے میری طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ میں اشارے سے کچھ کام لیتا اب میرے لئے صبر کے سوا چارہ کیا تھا۔ کھانے کے ساتھ سرخ سبز مختلف رنگ کی مدراسی شیرینی بھی تھی قہر گرسنہ بر جانِ گرسنہ دسترخوان ختم ہوا تو خواب گاہ کے اندر میز کی طرف طشتریاں جاتی نظر پڑیں۔ کچھ دیر کے بعد میں نے اجازت چاہی بزرگ ممدوح نے فرمایا شہر بہت دور ہے رات زیادہ گئی ہے اب واپسی کی ضرورت نہیں۔ میں کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ نظام احمد مرحوم نے منظور کر لیا۔ خواب گاہ میں سامان استراحت ہو گیا سب حضرات آرام فرمانے لگے میں گرسنگی کی شدت میں کروٹیں بدل رہا تھا نیند کا کیا ذکر۔

مجھے کچھ سہارا تھا تو رنگین شیرینی کی طشتریوں کا۔ جب ہر طرف سے نفیرِ خواب بلند ہوئی میں اٹھا اور دبے پاؤں میز کے قریب پہنچکر ہاتھ بڑھایا ڈلی کا محسوس ہونا تھا کہ وہ منھ کے اندر پہنچ گئی میں چاہتا یہ تھا زبان پر پہنچنے سے پہلے حلق میں اتر جائے مگر وہ کمبخت سانپ کے منھ کی چھچھوندر بن گئی نہ اگلنے کی نہ نگلنے کی۔ رقیق نشے ہوتی تو ہے تلخ کا دھوکا ہوتا یہ رنگین شیرینی کی ڈلی نہ تھی صابن کی بٹی تھی ۔ میری حبیبت کا پورا لطف اٹھانا ہو تو کچھ دیر کے لئے صابن کی ٹکیہ منھ میں رکھکر کام و دہن کو

ممنون کیجئے۔

رومال سے صاف ہو کر وہ چیز وہیں گئی جہاں سے اٹھائی گئی تھی۔ پانی کی تلاش میں کسیکی آنکھ کھل جانے کا اندیشہ تھا۔ رومال کی کارفرمائی منہہ کے اندر بھی رہی۔ ہم اس آسانی سے پلنگ تک نہ پہنچ سکے جس طرح وہ چیز منہہ تک پہنچی تھی اب صابن اپنی جگہ پر تھا مگر اس کی لذت زبان پر۔ سب حضرات پابند نماز تھے نماز فجر ادا کی ساتھ ہی چا رمعہ لسکٹ وغیرہ کے سامنے آگئی میں نے دو چار گھونٹ پیئے اور لسکٹ اٹھا کر اتنے زیادہ پیالی میں ڈال لئے کہ بزرگ ممدوح کو میری طرف توجہ ہوگئی دوسری پیالی بڑھا کر کہا اب لسکٹ اس میں ڈالے جائیں۔ نظام احمدؒ مرحوم کو ہنسی آگئی جو ھنسی خیز تھی استفسار پر انہوں نے کہا آپ تمام دن بھوکے رہے تھے پھر بھی شب کو کھانے میں تکلف کیا والپسی کا بھی سہارا ٹوٹا جارہیں تکلف رخصت ہو گیا اور لسکٹ سے زیادہ بے تکلف ہو گئے۔ میں دل میں خوش تھا کہ خدا نے صابن کے واقعہ کا پردہ رکھ لیا۔ کیا صابن کا واقعہ صحیح مذاقِ شعری رکھنے والے کے لئے اچھے شعر سے کم ہے

اب میں دربارہ دہلی کا ذکر چھوڑتا ہوں اس کے لئے بوستانِ خیال کی ضخامت درکار ہے کمبخت کی یاد جوانی سے کم نہیں۔ یہی کہتے ہوئے وہاں رہے اور یہی کہتے ہوئے واپس ہوئے۔

دربار قیصری کے عجب رنگ ڈھنگ ہیں
دہلی ہے اور ہم ہیں تبانِ فرنگ ہیں

اشاعت پذیر پرچے

تعلیم کو خیر باد کہے زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ ریاض الاخبار بھی جاری ہوا "گلکدہ" بھی۔

گلکدۂ ریاض کا ذکر مولانا حسرت موہانی نے خاص طور پر "اردوئے معلیٰ" میں کیا ہے۔ گلکدہ کو اپنی طرز میں اولیت کا شرف تھا اس وقت لکھنؤ سے "اودھ اخبار"، "کارنامہ" اور ایک پرچہ عیش مرحوم کی اڈیٹری میں نکلتا تھا۔

گلکدہ کو خاص امداد امیر الامراء راجہ محمد امیر حسن خاں بہادر والیٔ محمود آباد سے ملتی تھی۔ میر تحمل حسین خاں تجمل ذریعہ تھے۔ چند نمبر شایع ہوئے تھے کہ خلد آشیاں نواب کلب علیخاں بہادر فرمانروائے رامپور نے مجھکو یاد فرمایا مگر میں قیصری دربار دہلی کی وجہہ سے بہ تاخیر رامپور گیا اور خلد آشیاں کی طرف سے اپنے استاد کا مہمان ہوا۔

رامپور آج ریاض آئے چلو خوب ہوا
اپنے استاد کے پابوس کا ارماں نکلا

نیّر اور داغ براہِ مہمان نوازی ملنے آئے قلق کیطرف سے اظہار معذرت ہوا میں خود گیا اور بلحاظ مراسم بار بار گیا۔ درباری شعراء اور علماء و فضلاء سے مصاحب منزل میں ملاقات ہوئی اصرار پر میں نے یہ غزل سنائی۔

ہنگامِ نزع گریہ یہاں بیکسی کا تھا
تم ہنس پڑے یہہ کونسا موقع ہنسی کا تھا

یہہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش
سنکر جو پی گئے یہہ مزہ مفلسی کا تھا

دادِ سخن سے حوصلہ افزائی کی گئی۔

سفر رامپور

خلد آشیاں کے رحلت کے بعد میں، مولنا شرر اونٹنار بہ ایمائے استاد پھر رامپور گئے۔اس وقت مراد آباد میں اتر کر رامپور سواری پر جانا پڑتا تھا۔سمیع اللہ خاں بہادر مرحوم کے صاحبزادے بھی لکھنؤ سے شریکِ سفر ہوئے۔رات لطف سے باتوں میں گذری پچھلے کو سوئے تو مراد آباد سے پانچ چھ اسٹیشن نکلکر کانٹھ کے چھوٹے اسٹیشن پر آنکھ کھلی گاڑی کم ٹھہرتی تھی بہ ہزار دقت اترے نہ کھانے کا سہارا نہ پان نہ تمباکو۔ بنگالی اسٹیشن ماسٹر نے خشک جواب دیا قصبہ چار پانچ میل۔مراد آباد جانیکو ریل کا وقت ساڑھے تین بجے کے بعد۔ اسباب ایک ریلوے ملازم کے سپرد کیا بھوک کی شدت میں بازار کا سہارا کانٹھ کی طرف لے چلا جتنا آگے بڑھتے جاتے منزل دور ہوتی جاتی آخر دور سے کچھ شاندار بلند عمارتیں نظر آئیں۔ ڈھارس ہوئی کہ شاید بازار کی خاک نہ چھاننا پڑے معلوم ہوا کہ یہ عمارتیں چودھری صاحب کی ہیں ذہن میں چودھری صاحبان سندیلہ کے خیال سے اور تسکین ہوئی مگر درِ دولت پر پہنچکر وہ چودھری ندھان سنگھ نکلے۔ دربان نے کہا مع اعزا امداد آباد گئے ہیں یہاں نائب صاحب ہیں اور وہ مسلمان ہیں۔کئی صحن طے کرکے دیوان خانہ تک رسائی ہوئی جو بہت مرتفع تھا۔شاندار دالان در دالان میں سفید چاندنی کا فرش گرد منصدی دیوان کہاروں کے سرخ سرخ کھاتے کھوے ہوئے دونو دالانوں کے وسطی در میں مسند بھی گاؤ تکیہ بھی نائب صاحب بھی۔

بہت بڑا شاندار پیچواں منہہ سے لگا ہوا

بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

ناخواندہ مہمان لب فرش حاضر نگہ روبرو کہنے والا کوئی نہیں نائب صاحب کی نظر کاغذات پر جمی ہوئی کچھ دیر انتظار کی تکلیف اٹھا کر میں نے بلند آواز سے اسلام علیکم کہا۔ نظر اٹھی مگر کس طرح

اٹھے فتنہ نگاہِ خشمگیں سے گلے ملتے ہوئے چینِ جبیں سے

ناخواندہ مہمانوں کی آمد سائلانہ تھی مگر صورت سائلانہ نہ تھی اب انتظار فضول تھا نگاہ خشمگیں و علیکم اسلام کے بعد کاغذ کی طرف پلٹ چکی تھی۔ میں آگے بڑھکر نائب صاحب کے برابر مسند پر جا بیٹھا مولٰنا شرر اور نثار نے بھی ساتھ دیا۔ نائب صاحب کا یہ عالم

غصہ میں بانکپے کا اترتا ہی نہیں ہے

حاشیہ نشینان بساط پر جرمانہ کے پردے میں غصہ کا اظہار ہونے لگا۔ کچھ دیر کے بعد دوسری مثل کھینچی تو میں نے دست بستہ عرض کیا ہم لوگ نام سنکر دور سے آئے ہیں سنا ہے حضور کو موسیقی کا شوق ہے۔ چیں بجبیں ہو کر فرمایا بالکل نہیں چودھری صاحب مراد آباد میں ہیں وہاں جاؤ — میں نے کہا ہم چودھری صاحب کی واپسی کا یہیں انتظار کرینگے کھانے کا انتظام فرما دیا جائے اور حضور بھی کچھہ سن لیں — رخ پھیر کر بلند آواز سے کہا کوئی ہے دو تین گنوار سپاہی جھپٹے — وقت نازک آجانیسے نثار کو تاب نہ رہی ایک ہی سانس میں کہہ گئے آپ حضرت ریاض مالک ریاض الاخبار

ہیں آپ مولٰنا عبدالحلیم شرر مالک دلگداز ہیں اور میں نثار حسین مہتمم پیام یار ہوں ساتھہ ہی واقعہ بھی بیان کردیا — اب نائب صاحب عرق عرق لاحول ولا قوۃ۔ غضب کیا کہتے ہوئے اٹھے ہر ایک سے معانقہ کیا اسٹیشن سے اسباب لینے کو آدمی دوڑائے۔ مگر میرے دل میں گدگدی کاش تفریح کے لئے ہارمونیم یا کوئی ساز ساتھ ہوتا تو نثار کو صفائی میں دقت ہوتی۔ سب مہمان نصف گھنٹہ کی معذرت کے ساتھ ایک مکلف کمرے میں پہنچائے گئے۔ پنکھے کی ہوا مولٰنا شرر اور نثار کو ٹھنڈا نہ کرسکی انہیں نائب صاحب سے زیادہ یل مجھہ پر غصہ کہ بے وجہ آبرو لی تھی۔ میں نے سمجھایا کہ موجودہ عزت مذاق اور موسیقی کے صدقے میں ہے جس نے ہماری پوزیشن کو بڑھا دیا۔ میں نے دونوں معزز ساتھیوں سے الٹی شکایت کی کہ آپنے اپنے ساتھہ مجھے بھی نقصان پہنچایا اگر اس وقت کچھ بھی بے عنوانی ہوجاتی تو وقت رخصت پانچ پانچ سو سے کم کا گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا — یہی گفتگو درپیش تھی کہ نائب صاحب سر کو جنبش دیتے لاحول ولا قوۃ اور غضب کیا کو تکیہ کلام بنائے آئے۔ کہا تکلیف نہ ہو تو دفاتر عمارات باغات ملاحظہ فرمائیے۔ واقعی ہر چیز قابل تعریف تھی خوش سلیقگی کی حد نہ تھی ایک بجے واپس آئے دسترخوان مختلف الاقسام کھانوں سے بھرا تھا مربے بھی چٹنیاں بھی خواکہہ بھی۔ مایوسان رزق نے سیر ہوکر کھانا کھایا کچھ دیر استراحت کی۔ نائب صاحب کو دوچار روز قیام پر اصرار تھا مگر ہمیں موقع نہ تھا۔ نائب صاحب نے بھی اسٹیشن تک مشایعت کی تکلیف گوارا فرمائی ایک ہاتھی پر میں اور نائب صاحب دوسرے پر

مولانا شرر اور نثار اسٹیشن پہنچے - نائب صاحب نے صندگر کے دوسرے درجہ کے ٹکٹ ناخواندہ مہمانوں کے واسطے لئے اور خدا حافظ کہا - یہ واقعہ گو چھپایا گیا مگر منشی امیر احمد صاحب کو معلوم ہوا اور مراد آباد میں خود چودھری نرہان سنگھ صاحب کو بھی ——— رامپور میں اب نہ وہ صحبت نہ وہ لوگ تھے مرزا شاغل برادر داغ نے دھوم دھامی دعوت کی اور پیام یار کی ایک تازہ غزل کا مقطع وقت پر اظہار مدعا کے لئے لکھ بھیجا

شرر، نثار، ریاض آئیں شوق سے شاغل غریب خانہ میں تیار ماحضر بھی ہے

دعوت خوب تھی مگر کانٹھ کا لطف نہ تھا

ایک اور سفر

ترتیب و طبعِ امیر اللغات کے سلسلہ میں منشی صاحب نے درمیانی مشہور مقامات کے سوا کلکتہ کا سفر کرنا چاہا مجھکو بھی مجبور کیا - لکھنؤ میں منشی امتیاز علی صاحب کاکوروی مشہور وکیل نے اپنی کوٹھی پر سب کو ٹھہرایا - صاحبزادہ منشی خورشید احمد ہمراہ تھے اور سید محمد عسکری صاحب وسیم وغیرہ بھی حکیم عابد علی صاحب کوثر خیر آباد سے اور میں لکھنؤ سے ساتھ ہوا مولانا شرر اور نثار بمجبوری ہمسفر نہ ہو سکے - فیض آباد میں منشی محفوظ علی صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر نے مہمان کیا اور لغت کے متعلق اپنے فرائض ادا کئے - کھتیا سرائے میں میر قاسم علی صاحب مرحوم آنریری مجسٹریٹ اور بنارس میں منشی الطاف حسین مرحوم ڈپٹی کلکٹر نے دادِ میزبانی دی - شہیر صاحب کے موجود نہ ہونیکی وجہ سے

مچھلی شہر کا جانا ملتوی کر دینا پڑا۔ بنارس سے بانکی پور پٹنہ کا ٹکٹ لیا وہاں
منشی مہدی حسن مرحوم شاداؔب رئیس پٹنہ نے اپنی لال کوٹھی میں مہمانوں
کے قیام کا انتظام کیا — بانکی پور پٹنہ کی صحبتیں یادگار ہیں ایک شب
کی صحبت میں عمائد زیادہ تعداد میں موجود تھے میں نے موقع سمجھکر مختصر الفاظ
میں امیر اللغات کے متعلق پبلک توجہ کی ضرورت کو غائیت سفر بتاتے ہوئے
مخاطبین سے چاہا کہ وہ بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں سب نے تائیدی
جواب دیا اور کہا کہ پچاس ہزار کی پیشکش صرف اسی مقام سے ہو سکتی ہے ایک
تاریخ کا تعین ہو جانا چاہیئے کہ جو حضرات موجود نہیں ہیں وہ بھی شریک ہو سکیں
— ابھی تعین تاریخ نہیں ہوا تھا کہ شاداب صاحب نے فرمایا غایت سفر یہہ
دیکھنا ہے کہ لغت کے لئے منشی صاحب کی خدمات کو ملک کہاں تک پسند کرتا ہے
ورنہ منشی صاحب بذاتِ خاص مصارف طبع و ترتیب گوارا کر سکتے ہیں نیز انکے
شاگرد بھی! ریاض کی تحریک بغیر مشورہ ہے جس میں منشی صاحب اور ان کے میزبان
کی پوزیشن کا خیال نہیں کیا گیا — کچھ دیر کے بعد صحبت برخاست ہو گئی
مگر شاداؔب پر اثر رہا اور یہہ اثر ریاض کے لئے خفت افزا تھا — میں
ادباً استاد کے روبرو اپنا شعر نہیں پڑھتا تھا اسلئے منشی صاحب کے اوقاتِ
استراحت میں، دوسرا مکان اسی احاطہ سے مخصوص تھا جس میں شہر و بیرونجات
کے اصحاب ریاض کا کلام سنتے۔ ہنوز شاداب پر میری تحریک کا اور مجھپر
شاداب کی تقریر کا اثر تھا کئی روز کی کوشش کے بعد منشی صاحب کے توسط
سے یہہ رکاوٹ دور ہوئی اور دونوں میں بہ تخصیص زیادہ لطف پیدا ہو گیا

— وقت زیادہ گذر جانے اور ماہِ صیام کے قریب آجانیسے کلکتہ کا عزمِ سفر فسخ کردینا پڑا۔ میری یہہ کوشش ناکام رہی کہ امیر اللغات کے متعلق شاداب مرحوم کے خیالات معلوم ہو سکیں میں نے گورکھپور کی واپسی کا قصد کیا اور غایت منشی صاحب کو سمجھادی۔ اجازت طلبی پر شاداب نے قیام کے لئے اصرار کیا مگر منشی صاحب کے فرمانیسے دوسرے روز کی روانگی منظور کرلی — وقتِ رخصت مسٹر محبوب حسن بیرسٹر مظفر پور نے شاداب کیطرف سے ایک کشتی میرے لیئے منشی صاحب کے روبرو پیش کی جس میں نفیس پارچہ جات اور دوسو روپیہ نقد تھے میں نے معذرت کی بات نے طول کھینچا شاداب مرحوم خود تشریف لائے اور منشی صاحب سے عرض کیا ریاض کے انکار سے یہہ سمجھونگا کہ آپ باوصف امکان مجھے ولی صدمہ سے محفوظ نہ رکھ سکے میں نے عطیہ قبول کیا اور روانہ ہوگیا منشی صاحب بھی ایک ہفتہ کے بعد رخصت ہوے معہ اس مضمون کی ایک یادگار یادداشت کے طبع وترتیب امیر اللغات کے لئے ہر سال اس قید کے ساتھہ پانچہزار روپیہ نذر ہوا کرینگے کہ ریاض بانکی پور خود یہ روپیہ لینے کے لئے آیا کریں — سفر ختم ہوگیا سال کے مقررہ مہینے پر منشی صاحب نے پندرہ سو کے تحائف دیکر وسیم صاحب کو گورکھپور روانہ کیا وہ گورکھپور آئے اور مجھکو لیکر بانکی پور روانہ ہوئے۔

بانکی پور کے اسٹیشن پر اس خیال سے کہ شاداب مرحوم لال کوٹھی میں ہیں یا اپنے علاقہ رسولپور میں ایک صاحب سے شاداب صاحب کو

دریافت کیا۔ شاداب کا نام سنتے ہی مخاطب کا رنگ متغیر ہو گیا ایک آہ کھینچکر بچشم پرآب کہا ان کا کل ہیضہ سے انتقال ہو گیا۔ بہ رسم تعزیت کوٹھی پر جانا میری قوت سے باہر تھا ؎

بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

جلال کا ایک مصرع

سفر بانکی پور کے سلسلے میں منشی صاحب منشی امتیاز علی صاحب کے مہمان تھے۔ جلال کی ایک تازہ غزل منشی صاحب کے ملاحظہ سے گذری تو یہہ مصرع پڑھکر

غصہ میرے بانکے کا اترتا ہی نہیں ہے

منشی صاحب نے مجھسے غزل لکھنے کی فرمایش کی۔ میں نے غزل کہکر پیش کی جسکے بعض اشعار درج ذیل ہیں۔

وعدہ کبھی سچا کوئی کرتا ہی نہیں ہے
اندیشہ فردا تو گذرتا ہی نہیں ہے

اس دل سے تو سینے کا مرا داغ ہی اچھا
کمبخت ابھارے سے ابھرتا ہی نہیں ہے

دامن کی شکن دور سے لیتی ہے بلائیں
بل یار کے ابرو کا اترتا ہی نہیں ہے

دیوانہ ریاض اوروں سے کیا بات کریگا
معشوقوں سے تو بات وہ کرتا ہی نہیں ہے

جلال نے یہہ واقعہ نثار سے سنا، میری غزل بھی دیکھی فرمایا امیر شاگردوں کو ابھار کر میرا رنگ مٹانا چاہتے ہیں۔ جلال کا یہہ محض خیال تھا امیر کا برتاؤ جلال سے نہایت محبت کا تھا جلال خود میری قدر کرتے تھے میرے دو شعر مرحوم

کی زبان پر تھے جنھیں یہ کہکر سناتے تھے کہ ریاض کا حصہ ہو گئے ہیں

شگفتہ پھول حسینوں کے ہار کے قابل　　جو خشک ہوں تو ہمارے مزار کے قابل

اب تو وعدہ بھی وہ نہیں کرتے　　دن قریب آ گئے قیامت کے

آخر زمانہ میں "گلچیں" کی طرح پر جلال نے غزل کہی میں نے بھی۔ جلال نے خود تشریف لاکر داد دی

خیالِ شبِ غم سے گھبرا رہے ہیں　　ہمیں دن کو تارے نظر آ رہے ہیں

جنوں میں یہ انکو دعا دے رہا ہوں　　پہنیں پھول تنکے جو چنوا رہے ہیں

کمر سیدھی کرنے ذرا میکدہ میں　　عصا ٹیکتے کیا ریاض آ رہے ہیں

داغ و ریاض

جس زمانہ میں سید محمد عسکری صاحب وسیم خیر آبادی رامپور میں امیر اللغات کی خدمات انجام دے رہے تھے اکثر جناب داغ کی خدمت میں حاضر ہوتے مشغلۂ سخن کے سوا مشغلۂ شطرنج بھی رہتا۔ ایک مرتبہ جناب داغ نے میرا مندرجہ ذیل شعر سنا کر

یہہ اپنی وضع اور یہہ دشنامِ مے فروش　　سنکر جو پی گئے یہہ مزہ مفلسی کا تھا

اپنا شعر بھی اس انداز سے سنایا کہ محاورہ کی موزونیت کے سوا فرقِ امتیاز بھی ظاہر ہوتا۔

واعظ ترے لحاظ سے ہم سن کے پی گئے　　کیا ناگوار ذکر شراب طہور تھا

اس شعر کے بلند پایہ ہونے میں کیا شک ہے۔ میرے لئے یہہ امر باعث ناز ہے کہ ممدوح کو مدت گذر جانے پر بھی میرا شعر یاد تھا۔ داغ کا یہ برتاؤ میرے ساتھ ہمیشہ بہ خصوصیت رہا۔ میں قیام دکن میں جب داغ سے ملنے گیا داغ خانہ ویرانی کی وجہہ سے بہت مغموم تھے حادثہ کو آٹھ دس روز گذرے تھے۔ مجھے لپٹ کر رو ئے۔ گلچیں کی طرح تازہ پر غزل سنائی مقطع میں "خانہ ویرانی ہوئی" نہایت درد انگیز تھا۔ جاتے وقت دوبارہ آنے کا اصرار کیا دن اور وقت بھی مقرر کر دیا۔ میں گیا تو غیر معمولی صحبت تھی پچیس تیس ممتاز اشخاص کا مجمع تھا ان میں تلامذۂ داغ بھی تھے ایک معزز صاحب کی نشست مسند پر تھی آگے ولایتی رکھی تھی۔ ہر شخص کو ان کا ادب ملحوظ تھا غالباً وہ اعلحضرت حضور نظام سے قریبی واسطہ رکھتے تھے۔ جناب داغ کے ایما پر بعض حضرات نے اپنا کلام سنایا پھر جناب داغ نے اپنے اشعار سے سامعین کی عزت افزائی کی۔ آخر میں مجھکو ایما فرمایا میں نے معذرت کی کہ ادب مانع ہے اصرار پر بھی عذر رہا تو داغ نے حاضرین سے کہا کہ میری طرح ریاض آپکو بھی اہل نہیں سمجھتے۔ میں نے عرق عرق ہو کر فوراً بہ تعمیل ارشاد ذیل کی غزل سنائی

چین مر کر تہہ زمیں بھی نہیں ۔۔۔ اب ٹھکانا مرا کہیں بھی نہیں
آہ کے ہوتے اشک کے چلتے ۔۔۔ آسماں بھی نہیں زمیں بھی نہیں
کل تو روتے تھے اپنے دامن کو ۔۔۔ اے جنوں آج آستیں بھی نہیں
ذکر مے کیا کہ وہ تو خلد کی ہے ۔۔۔ پینے کو شیر و انگبیں بھی نہیں
چپ ہیں وہ سن کے آرزوئے وصال ۔۔۔ منہہ سے ہاں بھی نہیں نہیں بھی نہیں

کتنی نازک ہیں چوڑیاں انکی — اتنی تو چین آستیں بھی نہیں
آپ جب تک تھے جان تھی دل میں — جائیے اب دلِ حزیں بھی نہیں
حسرت آباد دل نہ حسرتِ دل — وہ مکاں بھی نہیں مکیں بھی نہیں
ایسی بھی اے ریاضؔ توبہ کیا — کوئی آغوش میں حسیں بھی نہیں

داغ سا استاد جب انتہائی ستائش سے کام لے تو مبتدیین کا کیا ذکر۔ دوسرے تیسرے روز اسی زمین میں داغ نے اپنی تازہ غزل سنائی اور کہا کہ صرف ایک شعر اس میں اچھا ہے مگر وہ بھی رکھنے کے قابل نہیں پھر غزل چاک کر دی داغ کی طرف سے ریاض کے لئے یہہ حوصلہ افزائیاں شاید ہی کسی شاگرد کیساتھ بھی ہوں

دربار رامپور

مصاحب منزل میں صحبت گرم تھی کہ خلد آشیاں نے بعض احباب کو یاد فرمایا پھر مجھکو۔ شرفِ باریابی حاصل ہونے پر دیر میں آنیکی شکایت فرمائی میں نے عذر خواہی کی۔ کچھہ دیر بعد خلد آشیاں کے ایما پر داغ نے متعدد اشعار خلد آشیاں کے سنائے۔ ستائش نے یہہ اثر کیا کہ خلد آشیاں نے اپنی زبان مبارک سے بھی چند اشعار اپنے سنائے آخر میں امیر مینائی کو ایک فارسی قصیدہ سنانے کے لئے ایما ہوا۔ یہہ قصیدہ اس دیوان کا تھا جس پر لسان الملک طہرانی کی مہر تھی اور وہ سفیر طہران اسی زمانہ میں رامپور لائے تھے۔ موجودہ ترمیم شدہ زبان میں عربی الفاظ و غیر معروف لغات کا زیادہ استعمال ہوا تھا۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر کی نشست میرے پہلو میں تھی انھوں نے ہر شعر کی توضیح اس

لطف سے کی کہ ستائش میں مجھکو ہمنوائی سے کچھہ دقت نہ محسوس ہوئی۔
میں درباری آداب اور زانو شکستہ نشست کا عادی نہ تھا دو گھنٹہ کی نشست نے نسبتاً بیمار بنا دیا اور یہہ عذر کام آتا رہا تاہم دو تین بار کم کم وقت میں حسب الطلب شرفِ حضوری حاصل کرنا پڑا۔
میں نے خلد آشیاں کی غزل پر اپنی ایک تضمین پیش کی اور اسی زمین میں اپنی غزل بھی۔ خلد آشیاں نے بعض اشعار کی زیادہ تعریف کی اور مندرجہ ذیل شعر بار بار پڑھا۔

باہم شبِ وصال اٹھاتے ہیں کیا مزے وہ بھی یہہ کہہ رہے ہیں الٰہی سحر نہ ہو

شاگردِ امیر ہونیکی وجہہ سے حوصلہ افزائی کے لیے یہہ بھی فرمایا کہ مشقِ سخن بڑھ جانے پر تمہارا کلام مجھ سے بہتر ہوگا یہہ الفاظ سامعین کے لیے تعجب افزا تھے قیام و ملازمت کے لیے بھی ایما ہوا مگر میں اپنے اخباری تعلق کی وجہہ سے مجبور تھا۔ بے نظیر کے میلے میں حاضری کے لیے تاکید فرمائی وقتِ رخصت خلعتی دوشالہ سے مجھکو اپنے دستِ مبارک سے گراں دوش فرمایا۔ میں قیام گاہ پر واپس آ کر منشی صاحب کے استفسارات کا جواب دے رہا تھا کہ دس کشتیاں لیے ہوئے چوبدار جمعدار کے ہمراہ آئے اور منشی صاحب سے عرض کیا کہ یہ کشتیاں ریاض کے لیے ہیں۔ کشتی پوش علٰحدہ کیے گئے تو ایک کشتی میں زر نقد اور نو مطبوعہ دواوینِ ناظمؔ۔
اخبار اور گلکدہ کی اشاعت خیر آباد سے تھی مگر میرا قیام اکثر لکھنؤ میں رہتا زمانہ جنگ روم و روس میں میں نے روزانہ "تار برقی" جاری کیا۔

دربار رامپور کے شعراء

میں جس زمانہ میں خلد آشیاں کا طلبیدہ رامپور گیا تھا جناب داغ کا پہلا دیوان "گلزارِ داغ" زیرنگرانی امیر مینائی طبع ہو رہا تھا۔ جلال و تسلیم جبتک لکھنو میں تھے سیہوانی اور صبا البتہ رامپور میں تشریف رکھتے تھے لکھنو میں تسلیم واشرف ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے۔ کتابت میں دونوں ہم پیشہ دونوں نولکشور آنجہانی کی نظر میں وقیع دونوں کو نسیم دہلوی سے تلمذ باوضع بھی خلیق بھی سراپا عجز بھی کبھی کبھی شمس لکھنوی بھی ان کے ہمراہ نظر آجاتے مشتری طوائف مشہور شاعرہ ان کی شاگرد تھی اس کی شاگردی نے شمس کی شہرت کو چارچاند لگا دئے تھے زہرہ ہمشیرۂ مشتری بھی انہیں کی شاگرد تھی یہہ لوگ واقعی مرتبہ کے تھے

صحیح ہو یا غلط مندرجۂ ذیل شعر میں نے شمس کے نام سے سنا تھا

جینے نہ دینگی آنکھیں تری دلربا مجھے　　ان کھڑکیوں سے جھانکتی ہی ہے قضا مجھے

نواب آفتاب الدولہ بہادر قلق میرے جانے پر رامپور میں موجود تھے۔ قیام لکھنو کے زمانہ میں بار بار ان سے ملا تھا گو وہ زمانہ عسرت کا تھا مگر آن بان۔ پابندیٔ وضع اور خودداری ان کا حصہ تھی۔ امیر مینائی کی وساطت سے خلد آشیاں نے آپکو رامپور طلب فرما لیا تھا واپس آنے پر کچھ عرصہ کے بعد میں نے سنا کہ سرکاری مشاعرہ میں وقت مقررہ پر نہ پہنچنے سے بعض معزز شعرا معتوب ہوئے بغیر شرکت مشاعرہ واپس آنا پڑا معمولاً بھی

روزانہ دربار میں یاد فرمائی نہ ہوئی دو چار روز کے بعد معذرت آمیز عرضداشتیں پیش ہونے پر سرکار نے عفو سے کام لیا سب حضرات باریاب ہونے لگے لیکن قلق نے نہ عرضداشت بھیجی نہ کسیکی وساطت سے عذر خواہی کی سرکار نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ قیامگاہ پر واپس جاتے ہی روانہ لکھنؤ ہو گئے۔

ریاض ایسا گیا گذرا نہیں ہے شان جانے دے
گدائی کے لیے دو دے کے جام جم نکلتا ہے

حسب ایمائے سرکار امیر و داغ نے محبت نامے بھیجے جواب آئے مگر قلق نہ آئے بہ ایمائے سرکار ماہوار تنخواہ لکھنؤ جانے لگی پھر کئی مہینے کے بعد خود خلد آشیاں کی دستخطی تحریر پہنچنے پر اس طرح آئے گویا گئے نہ تھے۔

نیر شکوہ آبادی

میں منشی اسمٰعیل حسین نیر شکوہ آبادی سے جب ملنے جاتا یا وہ تشریف لاتے میری درخواست پر کچھ سناتے ضرور۔ ہر سنگلاخ زمین میں خاک اڑانا ان کا حصہ تھا ورنہ قادر وہ ہر رنگ پر تھے۔ غزل میں بہت شعر کہتے۔ زود گوئی میں امیر کے بعد تعجب نہیں ان کا درجہ ہو۔ مجھے انکی دو غزلوں کے دو شعر اب بھی یاد ہیں اور ایک زبان کا بھی۔ زبان پر بعض کے نزدیک قادر نہ تھے مگر میں نے ان کی لغزش کا ذکر کسی سے نہیں سنا۔ مرزا دبیر پر نساخ کے اعتراضوں کا جواب انہوں نے دیا ہے۔

اشعارِ نیر

داغ سجدہ ہے جبیں میں داغ میں خاکِ سجود
خط قسمت کی شکن میں گل ہے گل میں خاک ہے

اس "میں شکن" قافیہ ہے باقی ردیف ۔ دوسری زمین میں ۔ نیل بیل قافیہ ہے اور "ہے" ردیف ۔

غلّے ہماری خاک کے ہیں ان کے ہاتھ میں
اس وصلِ مختصر کی بھی دشمن غلیل ہے

رشک کے شاگرد تھے ان کا تتبع مایۂ ناز تھا۔ رعایتِ لفظی کے ساتھ اسی رنگ کے شعر زیادہ ان کے دیوانوں میں ہیں ۔

ہاتھوں سے ناپتے ہیں راہ جنوں   آستینوں میں کوس پڑتے ہیں

روزانہ تار برقی

جنگ روم وروس کے زمانہ میں اودھ اخبار لکھنؤ کے سوا کوئی اردو اخبار روزانہ نہ تھا میں نے ایک پرچہ خیرآباد سے روزانہ تار برقی نکالا تھا جس کی ترتیب اور تراجم کا انتظام پائنیر اور دیگر انگریزی اخبارات سے محمد نورخاں صاحب رسائی دار و رسالہ دار و دیگر افسران رسالہ نے انگریزی اور فوجی کلب سے کر دیا تھا اور سیتاپور میں اشاعت و فروخت کا انتظام ایک انگریز انسپکٹر پولیس نے اپنے ذمہ لیا تھا ۔ یہہ انگریز سیتاپور میں جتنا میرا گہرا دوست تھا اتنا ہی دشمن گورکھپور جا کر بہ زمانہ سپرنٹنڈی ہو گیا تھا۔

یہ پرچہ کتابی تقطیع کے دو ورق پر چھپا تھا قیمت ایک پیسہ مگر سیتاپور و خیرآباد کے سوا اور مقامات پر ایجنٹ کچھ اور زیادہ فروخت کرتے تھے۔ زیادہ تر کام کرنے والے احباب تھے بعض کے پاس ریاض الاخبار بھی بلا قیمت جاتا تھا۔ ہر گلی کوچہ میں مختلف مقامات پر کارپردازوں کی معرفت سے فروخت کے انتظام میں اولیت ریاض الاخبار پریس خیرآبادہی کو ہے۔

ریاض الاخبار کو بھی ولایتی اور ہندوستانی انگریزی اخبارات کے چیدہ دلچسپ تراجم جنگ کے متعلق جیسے ملتے تھے شاید اس وقت کسی دوسرے ہفتہ وار اخبار کو نہ ملتے ہوں

غازی عثمان پاشاہ مرحوم معروف بہ رستم پلونا کی آخری جنگ روس و رومانیہ و بلگیریہ و سرویہ سے زار روس کی کمان میں جس تفصیل اور شان سے ریاض الاخبار میں چھپی ہے دیکھنے کے قابل ہے مگر اس وقت کے پرچے اب کہاں۔

قیام گورکھپور

۱۸۸۰ء میں ریاض گورکھپور گئے مسٹر برل ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولس گورکھپور کی تحریک پر ریاض الاخبار گورکھپور منتقل ہوا حکام و روسائے ضلع نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ گو مسٹر برل کار خاص پر راولپنڈی مکسر ہٹ کی تحقیقات کو جا چکے تھے پھر بھی سرکاری کام بہت ملا۔ مسٹر بلک چیف کمشنر اس وقت جائنٹ مجسٹریٹ تھے اور مسٹر ڈیوس سپرنٹنڈنٹ پولیس دونوں علم دوست تھے اور مجھ پر بغایت مہربان۔ یہی حال تمام ضلع اور

شہر کا میئر ساتھ تھا۔ ریاض الاخبار گورکھپور کی ترقی کا باعث ہوا گورکھپور ریاض الاخبار کی ۔ مسٹر ڈیوس نے مجھ کو پیشکاری سپرد کی۔
فتنہ اسی زمانہ میں جاری ہوا جسے دیکھکر ہر ایک کہہ اٹھا ؎

آمد بہت بری ہے تمہارے شباب کی   یہہ دن تمہیں ضرور ستمگر بنا ینگے

گورکھپور ہی سے پھر روزانہ "صلح کل" بھی لمیٹیڈ کمپنی کی طرف سے میں نے جاری کیا جس کے لئے سید جالب دہلوی کو بلایا گیا۔ ریاض الاخبار کی یادگار اب "مشرق" گورکھپور میں ہے اور میر انعم البدل حکیم برہم !!

فتنہ

فتنہ کی اشاعت کو ابھی پوری سال ہی بھی نہ گذری تھی کہ اراکین گورنمنٹ کو بدگمانی ہوئی زور دیا گیا کہ نام تبدیل کیا جائے یہہ ناممکن تھا چند روز کے لئے اشاعت رُک گئی۔ مسٹر ڈیوس نے دورے سے واپس آنے پر تحریک کی اور ممدوح کی ذمہ داری پر خفتہ فتنہ پھر بیدار ہوا اور برسوں کامیابی کے ساتھ جاری رہا آخر بر بنائے اتفاقات ایک مقطع میں مجھے کہنا پڑا ؎

فتنہ کو پوچھتا ہے کوئی اس ادا کیساتھ   چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

گورکھپور کے بعض لطیفے

۱۔ مینا تڑپ رہی ہے کہ بازو قفس میں ہے

گورکھپور میں پہاڑی مینا زیادہ بکنے آتے ہیں مگر فتنہ کے اس لوکل کے

"مینا" کو غازی پور سے واسطہ تھا۔ اس زمانہ میں اس مینا کا طوطی خوب بول رہا تھا ؎

واعظ تجھے بھی قلقلِ مینا سنائینگے — توتا ہم آج لائے ہیں کیا بولتا ہوا

غازی پوری مینا کیلئے خوب خوب دست شوق بڑھ رہے تھے۔ ہوسکتا ہے امرا رشک کے خوگر نہ ہوں مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ رنگ پیدا ہو ہی جاتا ہے — واقعہ جو کچھ ہو نتیجے میں حقیقی "قوتِ بازو" اسی حوالات میں بھیجدیا گیا جو "زیر تجویز" کے نام سے مشہور ہے۔ بھائی کی گرفتاری کا اثر بہن پر اتنا ہی سخت پڑا کہ فتنہ کو مندرجہ بالا سرخی لوکل خبر کے ماتحت لکھنی پڑی۔

مینا کی قدر و قیمت اس زمانہ میں بہت تھی نام کا بھی تقاضہ اس میں شامل تھا

مینا نے "نیں۔ نا" کہا مول بھیو دس میں
بکرے نے "میں" کیا تو ترت کٹایو سیں

۲ — مجھکو سایہ پہنا دو مورے سئیاں

یہ لوکل جب شایع ہوا اس وقت کی ہوا اور تھی تہذیب اور تھی ایک دیسی حاکم نے جھجکتے ہوئے اس کی جرأت کی تھی کہ اپنی شرمیلی دلہن کی بے باکی بڑھائیں بے پردہ سواری پر ہوا کھلائیں کلب میں لیجائیں انگریز حکام سے بے تکلف ملیں اور ملوائیں۔ کلب میں دیسی وضع سے جانا انگریزوں کے بھی ہنسنے کا سبب ہوتا تھا اسی بنا پر یہ لوکل شایع ہوا بالآخر واقعات نے روک تھام کی ؎ دامن یار خدا ڈھانک لے پردہ تیرا

۳۔ ذرا سے "بالے" میاں اتنی بڑی دُم

مسٹر "بیلی" لفٹنٹ گورنر اودھ اس زمانہ میں جائنٹ مجسٹریٹ تھے آپکی شادی شہر کے مشہور اور ہر دلعزیز پادری کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ بیلی صاحب فتنہ قامت کوتاہ قد تھے اور دلہن قامت میں قیامت سے نکلتی ہوئی میرے اس شعر کے مصداق ؎

وہ تم سے قد میں کم سن میں بڑی ہے ٭ قیامت ناپ میں چھوٹی پڑی ہے

۴۔ "فاکس" نے شیر مارا

مسٹر فاکس شیر کے شکار کو تشریف لے گئے۔ لوکل میں فاکس (لومڑی) کے لفظ نے معناً لطف پیدا کر دیا

۵۔ سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

لوکل دیکھتے ہی ہر دیکھنے والے کو فوراً خیال ہوتا کہ اس لوکل کا تعلق کہیں میری ذات سے تو نہیں ہے۔ بھولے سے بھی چور کی ڈاڑھی میں تنکے کا خیال آیا تو اپنے اعمال پر فتنہ کے خوف سے نظر رہتی۔ یہ تو عام حالت تھی اس لوکل کا تعلق ایک دھوم دھامی دعوت سے تھا تمام معززروٴسا حکام عمال متوسطین شریکِ دعوت تھے۔ ایک پنشنر عہدہ دار نے ایک شاہدِ ناز کو جس نے اسی بزم میں منظور نظر ہونیکی خصوصیت پیدا کی تھی بلا کر اپنے پہلو میں جگہ دی کھانے میں بھی شریک کیا۔ پینے پلانے کا پاکیزہ بزم میں ذکر ہی نہ تھا ممدوح خود بھی محتاط بزرگ تھے یہ کہنے کا بھی موقع نہ تھا۔

کچھ عجب طرح کے ہیں رندریا ٭ آپ پیتے نہیں پلاتے ہیں

انگشت نمائی کے ساتھ سرگوشیاں بھری بزم میں ہونے لگیں۔ صبح کو فتنہ میں بہ ذیل لوکل مندرجہ عنوان مصرع شایع ہوا نیتجہ یہ ہوا کہ کھیل کھیلنے والے بھی فتنہ کے ڈر سے احتیاط کرنے لگے۔

جو پی بھی ہوگی تو ڈر ڈر کے ہم نے پی ہوگی

۶۔ گٹھری نے بغچہ باندھا۔

مسٹر گرنفری ایک یوربین افسر تھے وہ دوسرے ضلع کو تبدیل ہوئے اس لیے ان کو گٹھری اور ان کے تبادلہ کو بغچہ باندھنا لکھا گیا۔

۷۔ بلیا تبدیل

شگافِ چرخ سے آہ کیا ہوا حاصل کہ اور راہ کھلی ہر "بلا" کے آنیکی

مسٹر بلی اور کنور جوالا پرشاد ریاض الاخبار اور فتنہ کی بجا نکتہ چینی سے سخت پریشان تھے۔ نئے مجسٹریٹ اور کلکٹر کے آنے پر مخالفین کو موقع ملا کہ انہیں پریس سے اور پولیس سے برہم کریں۔ پولیس سے اس لئے کہ ریاض کو مسٹر ڈیوس ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اپنا پیشکار کیا تھا۔

مسٹر ڈیوس نہایت نازک طبع شاہانہ مزاج کے مشہور خاندانی انگریز تھے یہ سونے کیلئے دن کو رات بنانا معمولی بات تھی دریچوں اور دروازوں پر پردے ڈال کے دن کو شمعوں کا روشن ہونا اور ایسے ہی اور تکلفات کہ نیند آئے —— برسات میں جب دو تین دن کی جھڑی لگتی تو کچہری جانے کے لئے سواری میں کھینچنے والی پنکھیوں کا سامان ہوتا برقی پنکھے اس زمانہ میں تھے نہیں نئے مجسٹریٹ نازک مزاج تو تھے ہی مخالفین نے ان کو متاثر کر لیا اور کمشنر

بنارس سے میرے فوراً تبدیل کئے جانیکے احکام منگائے تار پر حکم آیا بلیا تبدیل۔

کاتب نے بلیا کو بالکسر بلیا گویا مسٹر بیلی کو تکار کے لکھہ دیا حالانکہ مقصود بیلی کی تحقیر نہ تھی مگر یہ اشارہ ضرور تھا کہ تبدیلی کی کوشش میں مسٹر بیلی بھی شریک ہیں۔ یہ کوشش ریاض الاخبار اور فتنہ پر مقدمے قائم کئے گئے ہائی کورٹ میں درخواست انتقال مقدمہ پر معرکہ آرائیاں رہیں بالآخر گورنمنٹ کو مقدمہ واپس لینا پڑا۔

۸۔ آ بیل مجھے مار

ایک شخص پر مسٹر BULACK نے اس طرح جرمانہ کیا کہ وہ اس مثل کا مصداق ہوگیا۔

۹۔ مسٹر مرر کا انتقال

نازک مزاج مجسٹریٹ مسٹر مرر کی زندگی میں یہ لوکل شایع ہوا فوراً ہی کوٹھی پر مسٹر مرر کے روبرو فتنہ پیش کیا گیا نازک مزاج انگریز غصہ سے سرخ ہوگیا وقت پر "صاحب" کچہری آئے فتنہ بھی آفس بک میں ساتھ تھا غیض وغضب میں سررشتہ دار کو فوراً حکم جاری کرنیکا ایما ہوا سررشتہ دار نے ادب سے عرض کیا کہ یہہ خبر حضور کے متعلق نہیں ہے اس کی صراحت اسی سرخی کے نیچے دوسرے صفحہ پر درج ہے فتنہ ۴ انچ کی تقطیع ۸ ورق چھپکر موڑ دیا جاتا تھا جب تک ورق تراشے نہ جائیں بعد کے صفحات دیکھے نہیں جاسکتے تھے۔ سررشتہ دار نے دوسرا

صفحہ پڑھکر سنایا جو بنگال کے ایک حاکم مسٹر مرر کی موت کے متعلق بصراحت درج تھا جو ایک شکار میں واقع ہوئی تھی۔ صاحب کو خفت ہوئی تاہم ارشاد فرمایا شرارت ضرور کی گئی ہے۔

مجسٹریٹ جب اتفاق سے تبدیل ہوئے تو میں ملنے گیا ممدوح کمال اخلاق اور تعظیم سے ملے۔ وقتِ رخصت ارشاد ہوا "گیا واقعی فتنہ میں ہمارے متعلق وہ خبر شرارت سے نہیں شائع کی گئی تھی۔

۱۰- "اَن ہوئی ہُونی"

گورکھپور کی ہڑتال بعد "ہوئی" واقع ۱۸۹۶ء یادگار ہے ـــ اس زمانہ میں ہندوستان نے ہڑتال کا شاید نام ہی نہیں سنا تھا۔

ڈاکٹر مجسٹریٹ ضلع ہونیکے سوا میونسپل چیرمین بھی تھے۔ میونسپلٹی میں بعض اشیا پر چنگی کا محصول بڑھایا گیا شہر کے سب قبرستان بند ہو کر ایک قبرستان بنا۔ ایک مسجد کلب کا باورچیخانہ بنائی گئی ـــ یہ پے بہ پے حالات ناقابل برداشت ہوگئے تو گورنر کے پاس شکایت سے بھری ہوئی عرضیوں کے سوا ایک محضر کم وبیش بیس ہزار دستخط سے بھیجا گیا۔ گورنر بنارس اور اعظم گڑھ سے ہوتے ہوئے گورکھپور آنیوالے تھے جب گورنر آئے تو سڑک پر دو رویہ ہجوم تھا ہجوم ہر طرف سے کمشنر کی کوٹھی کو گھیرے ہوئے تھا۔ بالآخر مجمع کو پیام دیا گیا کہ کچہری میں درخواست دیں ہم ملاحظہ کرینگے۔ یہ سنکر ہجوم منتشر ہوگیا مگر اس طرح کہ قریب کے چوراہوں پر تقسیم ہوگیا کچھ حصہ کلب اور مسجد کے قریب جمع رہا یہ معلوم تھا کہ گورنر اس

طرف سے جائینگے۔ جب گورنر صاحب تشریف لائے تو لوگ پھر جمع ہو گئے
لیکن اس خیال سے کہ شکایتوں پر لحاظ کیا جائیگا پھر منتشر ہو گئے مگر جب
دیکھا گیا کہ کوئی لحاظ نہیں ہوا تو "گوڑی" پھر گئی اور مکمل ہڑتال کا انتظام
ہوا ۔ اس زمانہ میں جیل کی جنس صبح ہی صبح بازار صاحب گنج سے جایا
کرتی تھی۔ انکار پر جیلر نے سپرنٹنڈنٹ کو اور اس نے ڈاکٹر ہوئی کو اطلاع
دی۔ مسٹر ہوئی نے تحصیلدار سے کہا کہ کارروائی کیجائے۔ بالآخر بازار صاحب
گنج میں ہنگامہ ہوا گو ملازمین تحصیل کو پھر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ چیف سکریٹری
مسٹر لاٹوش نے تمام بازاروں کا گشت کیا مگر ایک دوکان بھی نہ کھلی۔
سرانٹونی نے دو گز سلطانی بانات بازار سے منگوانے کا کمشنر کو حکم دیا
بازار سے مایوسی پر بابو درگا پرشاد آنجہانی کو تکلیف دیگئی اور بانات
پیش کی گئی مگر استفسار پر واقعیت معلوم ہو گئی بانات واپس ہوئی
اور دوسرے روز احکام آگئے۔

مسجد اپنی حالت پر واگذاشت۔ بڑھا ہوا محصول چنگی موقوف
ایک قبرستان کے سوا دوسرے خاندانی قبرستانوں کے استعمال کی بھی اجازت

گلچیں

گلچیں جب لکھنؤ سے گورکھپور منتقل ہوا اس کا تعلق مجھسے اور ریاض الاخبار پریس
سے ہو گیا۔ میں نے یہ التزام کیا کہ مصرع طرح ہر مرتبہ کسی استاد سے یا ایسے
ممتاز شاعر سے لیا جائے جو وقیع ہو۔

اس التزام سے کئی نمبر گلچیں کے بہت کامیاب نکل چکے تھے اسی سلسلے میں استاد مرحوم کو تکلیف دیگئی اور جناب امیر مینائی نے یہہ مصرع لطف فرمایا ؂

کنی ہیرے کی نیلم میں جڑی ہے

جب یہہ مصرع شائع کیا گیا تو گلچیں میں مصرع طرح پر مصرع بہم پہنچا نیکی بھی فرمائش کی گئی۔ ابھی اس طرح میں نا تمام دو تین نمبر نکلے تھے کہ اعلحضرت میر محبوب علی خاں مرحوم خسرو دکن بالقابہ کو توجہہ اس طرف ہوئی۔ اعلحضرت کی غزل کا یہہ مصرع اس قدر مقبول و شہرت پذیر ہوا کہ تمام ہندوستان پر چھا گیا اور گویا وہی مصرع طرح قرار پا گیا ؂

یہہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے

متعدد شعرار نامی نے اس پر مصرع لگائے شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے اس زمین میں پوری قوت سے فکر نہ کی ہو۔ گلچیں کے نمبر ایک سال تک اسی طرح میں نکلتے رہے۔

حیدر آباد کا ایک واقعہ

جب خسرو دکن نے غزل کہی اور اس مصرع نے ہر طرف دور دور شہرت حاصل کی تو دکن سے ابراہیم خاں کا خط ان کے پیش دست کا لکھا ہوا امیر کے نام آیا جس میں تحریر تھا۔

میں تمہارے لئے کوئی موقع ہاتھہ سے نہ جانے دونگا تم یہاں آنیکے لئے تیار ہو بہت جلد اعلحضرت تمہیں یاد فرمائینگے۔ تین مصرع طرح

گلچیں کے لئے اعلحضرت نے مرحمت فرمائے ہیں ان کو نمبروار
شایع کرتے رہنا

مجھے سطحی تحریر اور تم تم کی تکرار خط میں ناگوار گذری میں ابراہیم خانساماں سے واقف نہ تھا نہ ان کے پیش دست سے میں نے جناب داغ کو نیاز نامہ بھیجا اور اس کے ساتھ ابراہیم خانساماں کے خط کی نقل بھیجکر اعلحضرت کے عطیہ طرحی مصرعوں کی اشاعت کے لئے ممدوح کی رائے دریافت کی ممدوح نے تحریر فرمایا کہ جواباً لکھد یجیے جب تک استاد کی وساطت سے مصرع نہ آئینگے گلچیں ان کی اشاعت سے قاصر رہے گا۔

اس کا اثر جو کچھ ہونا چاہیئے تھا ظاہر ہے۔ شمس العلماء علامہ عبدالحق خیرآبادی دستِ افسوس مل کر اس واقعہ کو جناب داغ کی غلطی اور میری انتہائی بدنصیبی پر محمول کرتے تھے ساتھہ ہی ساتھہ ابراہیم خانساماں کے اقتدار و اختیارات کا بھی تفصیل کے ساتھہ ذکر فرماتے۔ میں دل ہی دل میں کہتا

چشم ما بسیار ازیں خوابِ پریشاں دیدہ است

جناب داغ کی نسبت میں شمس العلماء کا ہم خیال بنکر ان کی غلطی اپنے متعلق کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ جناب داغ تاحیات نہایت کشادہ دلی سے ریاض الاخبار کے پردے میں میری امداد فرمانا اپنی وضع میں داخل سمجھتے رہے ممدوح کے ہر نوازش نامہ میں حرف حرف سے محبت ٹپکتی تھی بلکہ سادہ بین السطور سے بھی محبت کے چشمے ابلتے تھے۔

دوسرا واقعہ

ترکی کی شکست نے عراق و حجاز وغیرہ میں حکم برداری کا جال پھیلا دیا تھا دکن میں جناب علی امام مرحوم نے بہ زمانہ وزارت بعض ایسے اذکار کی ممانعت فرمادی — جناب ظفر علی خاں کی تنخواہ جو عتاب پر بھی جاری تھی وہ بھی بند کردی گئی - ان واقعات سے مشتعل ہوکر میں نے ایک نظم کہی اور ایسی زمین میں کہی کہ انگریزی تعلیم یافتہ اگر اس کا تتبع کریں تو کامیابی کا بظاہر امکان نہیں نظر آتا -

بھاری پتھر تھا اسے چوم کے بس چھوڑ دیا

میرے دو شعر اس نظم کے جس کا نام "جہاں آشوب" ہے اور تعداد شعر غالباً سو سے زیادہ - دو قافیہ "غلام" اور "امام" جو سلسلہ بیان میں اپنے اپنے موقع پر درج ہوئے ہیں یادگار ہیں -

"غلام" کا قافیہ ایک موقع پر قاضی محمد خلیل صاحب حیران رئیس بریلی نے علی برادران کو دیرہ دون میں حکیم اجمل خاں کی قیام گاہ پر سنایا تھا اور سننے والوں نے بغایت ستائش فرمائی تھی -

اب مردنی ہے قوم اپنی　　　لونڈی سے غلام ہوگئی ہے

دوسرا قافیہ　　حیدرآباد دکن کی "مکہ مسجد" کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا گیا تھا

مکہ مسجد میں شور ناقوس　　　آوازۂ "امام" ہوگئی ہے

گالچیں کے چھوٹے ہوئے ذکر کے سلسلہ میں ایک تضمینی مصرع اعلحضرت کے

مصرع پر گو وہ کسی درجہ کا ہو یاد آگیا استفہامیہ طرز سے پڑھنکی ضرورت ہو

جو لو کروٹ تو میں سمجھوں شبِ ہجر | یہہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے

مگر اصل مصرع طرح کی تضمین یعنی ؎

کنی ہیرے کی نیلم میں جڑی ہے

باوصف توجہہ دلانے کے کسی بلند پایہ شاعر سے بھی نہ ہو سکی۔ عام شعراء کے لئے ایک ہی پیش پا افتادہ مضمون کے سوا کوئی صورت نہ تھی اور اسی لئے توارد ہونا بھی لازمی تھا۔

گلِ سوسن پہ شبنم کب پڑی ہے | کنی ہیرے کی نیلم میں جڑی ہے

بلند پایہ شعراء نے ضرور توجہہ کی ہو گی مگر کہہ نہ سکے صرف امیر مینائی نے مصرع لگایا جسے دیکھکر ہمیشہ کے لئے قوتِ شعری گویا عاجز ہو گئی ؎

مسی پر چھوٹ افشاں کی پڑی ہے | کنی ہیرے کی نیلم میں جڑی ہے

اس زمانہ کے دوسرے گلدستے

گلدستوں میں پیام یار و گلچیں نے زیادہ عمر پائی۔ نکلے اچھے اچھے پرچے، خورشید صاحب کا پرچہ فصیح الملک بھی (جس کا نام غالباً پہلے گلزارِ خلیل تھا) قنوج کا پرچہ بھی جس کے مہتمم بھگو خاں تھے اور باوصف اعتباری نام کے مانگتے تھے ہمیشہ پینگی۔ سب سے اچھا "دامنِ گلچیں" تھا جس کے چند پرچے نکلے مگر ہمیشہ کے لئے یادگار۔ اس کے بند ہوتے ہی مرحوم آغائے سخن وسیم نے یہہ کہکر۔

گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

گلچیں نکال دیا۔ اولیت میں مقبولیت کے ساتھ صرف "گلکدۂ ریاض" کے سر سہرا رہا ساتھ ہی غالباً کہدوں تو مضائقہ نہیں۔

مولانا حسرت موہانی نے "اردوے معلیٰ" عنہ۱ جلد ۱۲ اکتوبر میں گلکدۂ ریاض خیر آباد نمبر ۲" کے عنوان میں اس کا ذکر لکھا ہے اس سے پہلے ایک مضمون شوق نیموی مرحوم کے متعلق ہے ساتھ ہی ان کے "اصلاح" نام پرچے کا بھی ذکر ہے۔ بہر حال اصلاح ہو یا کوئی اور پرچہ شرف اولیت گلکدۂ ریاض ہی کو ہے اور پرچے بہت بعد کے ہیں فتنوں پر فتنۂ گردوں پر ترجیح اسی قیامت کو ہے۔

قیامت کی خلش کیوں ہر گھڑی ہے
وہ تم سے قد میں کم سن میں بڑی ہے

گلدۂ ریاض کی خاص خوبی یہ تھی کہ اس میں حتی الامکان سب شعر منتخب درج کئے جاتے تھے اور اس اصول کی پابندی اس سختی سے کیجاتی تھی کہ بعض پرچوں میں امیر سے استادِ کامل کی غزل کا صرف ایک ہی شعر چھپا ہوا نظر آتا ہے۔

مستقل قیام لکھنؤ

ریاض کو گورکھپور سے گورکھپور کو ریاض سے ہمیشہ خاص تعلق رہا۔ اہل شہر کی گرویدگی بلا استثنا میرے ساتھ رہی۔ میری آرزو تھی کہ مر کر بھی یہیں رہوں

ریاض اب کیا کریں اس شہر سے ہم قصد جانے کا
نصیبوں میں لکھا ہے خاکِ گورکھپور ہو جانا

میں نہ گورکھپور سے جدا ہو سکتا تھا نہ گورکھپور مجھ کو جدا کر سکتا تھا اگر جناب سر راجہ محمد علی محمد خاں بہادر بالقابہٖ والی محمود آباد کی قدر افزائیاں مجھکو مجبور نہ کرتیں۔ ممدوح نے ریاست کا پریس بھی دیا ریاست کا کام بھی اور میری آزادی بھی قائم رکھی۔ آزادی کا قائم رہنا میرے لئے خاص نعمت تھی۔ نخاس میں ایک وسیع مکان بھی قیام کے لئے عطا ہوا وظیفہ بلا خدمت بھی۔

ہم ان کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

قیام لکھنؤ کے زمانہ میں ہز ہائی نس نواب حامد علیخاں بہادر رشک فرمانروائے رامپور کی طرف سے صاحبزادہ مصطفےٰ علیخاں بہادر مرحوم سکرٹری حضور دو مرتبہ اس قصد سے لکھنؤ آئے کہ مجھکو رامپور لیجائیں مگر میں لکھنؤ میں موجود نہ تھا۔ تیسری مرتبہ ہز ہائینس بالقابہٗ نے راجہ نوشاد علی خاں تعلقدار میلارائے گنج سے فرمایا کہ آپ ریاض کو لائیں مگر میں نہ جا سکا۔ چند روز بعد خاص ضرورت سے میں خود رامپور جانیکے لئے مجبور ہوا اسٹیشن پر سرکاری سواری موجود تھی حافظ کرامت اللہ خاں گستاخ کی کوٹھی پر قیام ہوا مگر مہمان ریاست کا رہا باریابی کے لئے دس بجے شب کا وقت ملا۔ ہز ہائینس نے نذر قبول فرمائی ساتھ ہی ارشاد ہوا تین مرتبہ بلانے پر بھی آپ نہ آئے نشست کیلئے ایما ہوا۔ استفسارات کے بعد چیف سکرٹری صاحب کو یاد کیا کچھ مشورہ ہوا پھر ایک یوروپین افسر طلب کیا گیا اور اس سے دیگر

گفتگو رہی آخر مجھکو معاملۂ خاص کے متعلق مطمئن فرما کے ارشاد ہوا وہ مطلع سنائیے۔

واقعہ یہہ تھا کہ ایک مرتبہ رامپور میں صاحبزادہ مصطفےٰ علی خاں بہادر کے اہتمام میں مشاعرہ سرکاری کا انعقاد ہوا تھا جس کی بہت دہوم تھی دور دور کے نامور شعراء مدعو کئے گئے تھے افتخار الملک مضطر خیر آبادی پہلے ہی سے مہمان ریاست تھے آپ نے مصحفی کی مشہور غزل پر جس کا مطلع درج ذیل ہے غزل کہکر صلہ حاصل کیا تھا

دعویٰ کیا تھا اس سے پھولوں نے رنگ و بو کا
دھولیں صبا نے ماریں شبنم نے منہہ پہ تھوکا

میں نے بھی بجواب مصحفی مطلع کہا تھا جب یہ سنا تو عرضداشت بھیجی کہ ایک ہزار صلہ اس قید کے ساتھہ چاہتا ہوں کہ مطلع مصحفی سے کم درجہ کا ہو یا کوئی اور ایسا مطلع کہدے تو کچھہ پانے کا مستحق نہیں ہوں۔

ہز ہائی نس کے ذکر فرمانے پر کسی نے میری شوخی سے اس کو تعبیر کیا کسی نے جنوں سے مگر یہہ کسی نے عرض نہ کیا کہ مطلع طلب فرمایا جائے۔

مشاعرہ ختم ہونے پر منشی محمد احمد صاحب تحریر خلف امیر مینائی استاد حضور کا نوازش نامہ آیا کہ مطلع بھیجدیجے دیکھنے کے بعد سرکار میں تحریک کرونگا جواباً عرض کیا گیا آپ کا ہر ارشاد واجب التعمیل ہے مگر سرکار میں نہ بھیجنا اور آپ کو بھیجنا میں گستاخی خیال کرتا ہوں ــــــ

ہز ہائی نس بالقابہ کو اس وقت وہی مطلع یاد آیا اب مجھکو سنانے کے

سوا چارہ کیا تھا۔ تمہیداً عرض کیا مصحفی نے "یہ" موزوں کیا ہے میں اسے ترک کر چکا ہوں "اب میں" کے سوا دوسرا لفظ نہیں ظاہر ہے کہ تھوکنے کا فعل "یہ" کے ساتھ کس قدر آسان ہے اور "میں" کے ساتھ اس وقت تک محال ہے جب تک دوسرا مجبور نہ کیا جائے حضور نے ارشاد فرمایا بیشک! اس وقت تمام درباری شعراء اور معززین صف نشین تھے میں نے مطلع سنایا۔

منہ زیر تاک کھولا واعظ بہت ہی چوکا
بیلوں نے ڈاڑھی پکڑی خوشوں نے منہ میں تھوکا

حضور نے عجب انداز سے بے تابانہ داد دی ساتھ ہی حاضرین نے بھی جس نے مطلع کو اور چار چاند لگا دیئے۔ اس کے بعد میں نے حضور کی مدح میں ایک قطعہ پڑھا جو راہ میں پنسل سے لکھ لیا گیا تھا ایک شعر اس کا درج ذیل ہے ؎

قدرتِ حق کا کرشمہ ہے سخاوت انکی جس کو دیتے ہیں مقدر سے سوا دیتے ہیں

اس قطعہ نے بھی خاص لطف پیدا کیا۔ قابل رشک والی ملک سے خراج تحسین حاصل کرنے کے بعد پہلے میرا کچھ اور کلام سنا گیا اس کے بعد کلام الملوک کی نوبت آگئی۔ حضور نے اپنا کلام نہایت شوق سے سنایا مجھکو ماننا پڑا کہ جناب رشک باالقابہ بلحاظ فراست و قابلیت نہ صرف غیر معمولی فرمانروا ہیں بلکہ غیر معمولی ذہانت و طباعی نے وسیع ممالکِ سخن کو بھی زیر نگیں کر رکھا ہے

صبح گجر بجتے رخصت کی اجازت ملی آج مجھکو اس دو گھنٹہ کی قدر ہوئی جو حضور میں گذرے تھے۔ مجھکو استاد مرحوم کے آستانہ پر فوراً نہ جانے اور حضرت امیر مینائی کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکنے سے سخت گرانی تھی اب اور بھی شرمسار ہونا پڑا کہ استاد نے خود سبقت کی اور میری قیام گاہ پر کھانا بھجوانے کی زحمت بھی گوارا فرمائی گو میں روزانہ جاکر جبہہ سا ہوا اگر جبیں پر عرق ندامت باقی رہا دربار میں ہر حاضری پہ سرکار بالفاظ میرا کلام سنتے۔ نقل بھی لیجاتی حوصلہ افزائی بھی دیجاتی۔ غرض خاص کے متعلق بھی کامیابی ہوئی حضور نے اپنے دست مبارک سے چٹھی لکھکر دی کہ بمقام شملہ جناب سرہارکورٹ ٹیلر گورنر برما کے حضور میں پیش کروں۔ میں اپنے حضور مہاراجہ محمود آباد بہادر کے ہمراہ شملہ گیا جناب ٹیلر نے چٹھی ملاحظہ فرماکر مجھکو باریاب کیا تو سب سے پہلا سوال یہہ تھا کہ کیا آپ ہندوستان میں سب سے بڑا شاعر ہے؟ نہیں کہا جاسکتا کہ ہز ہائینس نے میرا کچھہ ذکر چٹھی میں لکھا تھا یا سر راجہ صاحب بہادر نے اپنی زبان مبارک سے کچھہ کہا۔ میں جب لکھنؤ واپس آیا تو کسیکو دیکھکر بے ساختہ یہہ مقطع کہا۔

ریاض تھی جو مقدر میں بازگشتِ شباب
جوان ہونے کو پیری میں لکھنؤ آئے

یہہ عجب اتفاق ہے جسے دیکھکر مقطع کہا تھا دوسرے دن اس کا جنازہ دیکھا

خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

لکھنؤ میں مولانا شرر و نثار کے سوا جناب بشیر احمد تعلقدار ملیح آباد سے مجھکو لطف تھا اور لطفِ یکجائی بھی۔ جناب عزیز بھی زیادہ تشریف لاتے تھے مولانا صفی بھی ــــ میں نے یہاں ایک انجمن "اصلاحِ سخن" بھی قائم کی تھی قاضی تلمذ حسین ایم اے علیگ ہم مشورہ تھے اور خواجہ عشرت سکرٹری! پگلین کا دفتر بھی ریاض الاخبار کے ساتھ تھا اور وسیم صاحب کا بھی یہیں قیام تھا۔

تپش کا امیر مرحوم پر اعتراض

مولوی غلام محمد خاں تپش مرحوم سابق اڈیٹر اودھ اخبار نے جب "مشیر قیصر" جاری کیا تو امیر مینائی کے مطبوعہ دیوان اول پر اعتراض کا سلسلہ شروع کیا۔ کسی کو توجہ نہ ہوئی تو یہ دعویٰ ہوا کہ اعتراض کا جواب نہیں ہو سکتا میں نے خط و کتابت کی تو ایک مضبوط اعتراض تپش نے یہ پیش کیا۔

ٹانکوں کو دیا حکم تو بولے دہن زخم
سلواتے ہو کیوں قابلِ سیون تو نہیں ہم

قابل سیون کی ترکیب پر اعتراض تھا

میں نے لکھا اس سے زیادہ کم بینی و نافہمی کیا ہو سکتی ہے کہ نکتہ نہ ہونے سے کوئی قابل کو "قابل" پڑھے اور "سیون" کو سیون!

ایشیائی شاعری کا اعتراف

غازی پور میں شاہ احمد اللہ مرحوم سب جج اور شاہ امجد اللہ مرحوم منصف کے دولت خانہ پر چند معزز حضرات بی اے ایم اے تشریف فرما تھے ایشیائی شاعری کے متعلق کیقدر برے پہلو کوئے ہوئے اظہار خیال ہو رہا تھا میں نے عرض کیا میر انیس مرحوم و مغفور کے نیچرل مناظر کا ذکر ہی کیا میں امیر مینائی کا ایک شعر سنانا چاہتا ہوں شاید وہ اس صحبت میں درجہ قبولیت حاصل کرے اور آپ حضرات اس سے بہتر یا اس کے برابر کسی انگریزی شعر کے ترجمہ سے مجھے ممنون فرمائیں پھر میں نے یہ شعر سنایا۔

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

ریشِ مومن

لکھنؤ میں کسی تقریب سرکاری کے ذریعہ سے کچھ والیانِ ملک بھی آئے تھے۔ داروغہ عباس علی مرحوم انجینیر و یکتائے فنِ فوٹو گرافر کے دولت خانہ پر جس کا اب نشان تک نہیں ہے چند مقتدر نوابین و رؤسائے شہر تشریف فرما تھے۔

منشی نولکشور آنجہانی بھی موجود تھے اور میں بھی۔ کہ ایک رئیس با اختیار معہ مختصر اسٹاف کے مرغِ زریں بنے آتے نظر آئے۔ اطلاع کے ساتھ ہی سب حضرات تعظیماً استقبال کے لئے بہ عجلت بڑھے۔ دیکھا کہ ریش دونوں جانب پا ... پر چڑھی ہوئی بشکل مشین۔ چہرہ غضبناک

نہ سلام میں خود سبقت کی نہ سلام کا جواب دیا زبان پہ لکھنؤ کا نام
اور صدہا صلواتیں لعنت وپھٹکار کی بار بار تکرار۔ اس طرح مقام
نشست تک تشریف لائے اور باوصف تلخ گوئی اعزاز کے ساتھ بٹھائے گئے
مگر گفتار و کردار و لہجہ میں فرق نہ آیا۔ مزاج پرسی کی جرأت کون کرسکتا
تھا وہ البتہ سخنہائے درشت ارزاں فرمائے جاتے تھے کچھ دیر کے
بعد جب زبان تالو سے لگی تو ایک سن رسیدہ گرم و سرد دیدہ نواب صاحب
نے بہ ادب عرض کیا کہ لکھنؤ سے برافروختگی کا سبب معلوم ہو تو ہم بھی ہمنوا
ہونیکی جرأت کریں۔ فرمایا یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے اسلامی شہر مگر
جسے دیکھئے داڑھی صاف مسلمان و غیر مسلمان میں امتیاز نہیں نہ مصافحہ و
معانقہ کا موقع نہ سلام علیک کا ساتھ ہی پھر لعنت کی تکرار ــ سلسلہ
ٹوٹنے پر سن نواب صاحب نے عرض کیا برافروختگی کا سبب تو معلوم
ہو گیا مگر حضور نے اس کی علت دریافت نہ فرمائی بہ ادب عرض کرتا ہوں
سنئے۔ غدر سے پہلے میں بھی اور سب مسلمانان لکھنؤ بھی ریش کے ساتھ رکھ
رکھاؤ میں آپ ہی کے مقلد تھے۔ ایک روز میں خط بنوا رہا تھا آئینے
پر نظر تھی اطلاع پر اطلاع مسجدوں اور امام باڑوں کے منہدم کئے جانیکی
آرہی تھی دفعتاً معلوم ہوا کہ نواب آصف الدولہ کا مشہور امام باڑہ اور
اس کی وسیع اور حسین مسجد گھوڑوں کا اصطبل بنا دی گئی۔ نہ روک تھام
کی قوت تھی نہ انتقام کی میں نے مشتعل ہو کر خاص تراش سے کہا کہ ریش
رکھکر مسلمان صورت رہوں اور یہ خبر سنوں تو اسے صاف کردے ــ

وضع رندانہ رہے ریش رہے صاف ریاضؔ
خوف کی چیز ہے اس وقت مسلماں ہونا

ایک حادثہ

مولف فرہنگِ آصفیہ امیر اللغات کی اشاعت سے آتش زیر پا تھے انکی ہمدردی میں اکمل الاخبار دھلی نے سلسلہ اعتراضات شروع کیا تھا شوخ طبع اودھ پنچ نے نوٹ لکھکر مجھکو متوجہ کیا امیر مینائی کی تاکید تھی کچھہ نہ لکھا جائے آخر مجھکو توجہ ہوئی اور سلسلہ مضامین اس عنوان کے تحت میں شروع ہوا۔

شورِ واعظ کم نہیں ہوتا ہے تو للکار دے
اک ذرا او قلقلِ مینا بلند آواز سے

دو مہینے تک یہہ سلسلہ جاری رہا تھا کہ مجھکو ایک سخت حادثہ پیش آیا اور بحث ناتمام رہ گئی۔ اکمل الاخبار میں سید جالب دھلوی اڈیٹر ہمدم اسوقت بحیثیت مضمون نگار امیر اللغات و ریاض الاخبار کے خلاف مضامین لکھتے تھے ــــــ میں جب قیام لکھنؤ کے ارادے سے خیر آباد آیا تو ایک بڑا بنڈل ریل سے نہیں اتارا گیا یہہ بنڈل دو گز گپڑے کا تھا اس بنڈل میں بیس سالہ خریداران اخبار کے رجسٹر حساب خطوط کے فائل اصلاحی مسودات امیر مینائی اور میرے دونوں دیوان تھے۔ کسی ناخواندہ نے کپڑا لے لیا اور کاغذات اور رجسٹر ضائع کردئے انعامی اشتہار بھی کام نہ آیا۔ پہلے دیوان کا نام

خمخانہ تھا جو تاریخی تھا۔ اخباروں اور گلدستوں میں جو کلام طبع ہوگیا تھا بہ دقت فراہم ہو سکا۔

آخری وقت اور آخری قدردانی

میں نے لکھنؤ کی طرح میں ایک غزل کہی۔ مطلع مولوی سبحان اللہ خاں رئیس گورکھپور کو لکھکر بھیجدیا۔ مولنا پر خاص کیفیت طاری ہوئی تار پر مجھ کو بلایا۔ وقت آمد اسٹیشن پر خود بےتابانہ موجود تھے بعض اور احباب بھی ساتھ تھے۔ نعتیہ مطلع کی بے انتہا تعریف کی اور ایک ہزار روپیہ صلہ پیش کیا۔ مطلع یہہ ہے۔

گل مرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے
شکل معشوقوں کی انداز ہیں دیوانوں کے

دس بارہ سال ہوئے مسٹر ایم مہدی حسن (افادی الاقتصادی) نے الہ آباد کے مشہور رسالہ ادیب میں مجھکو "مرحوم" لکھا تھا مگر میں حضور راجہ صاحب بہادر محمود آباد کی مسیحائی سے اتبک زندہ ہوں اور غالباً ابھی زندہ رہونگا۔ عمر پینسٹھ ۶۵ سال سے زیادہ نہ ہوگی (یہہ اسّی سال کی عمر میں لکھا جارہا ہے) کبھی کبھی وقتی اثر سے اب زبان پر یہہ مقطع آجاتا ہے

وقت نازک رات آخر ہے ریاضؔ
لو لگی ہے شمع کی اللہ سے

⁂

مکاتیب معلیٰ

حضرت ریاض کی البیلی اور اچھوتی انشا پردازی کا وہ حصہ جس کے گواہ ریاض الاخبار اور فتنہ کے اوراق ہیں عمر کے انحطاط کے ساتھ ختم ہو چکا تھا

اب ۱۹۱۷ء میں سیتاپور سے آقائے سخن جناب وسیم نے جب "گلچیں" جاری کیا تو حضرت مرحوم کے لکھنے پڑھنے کا جذبہ خفتہ ایک دفعہ پھر بیدار ہوا۔

جناب نیاز فتحپوری اڈیٹر نگار کا مشہور مضمون "ایک رقاصہ سے" دیکھکر آپنے گلچیں میں اپنے مخصوص اور پہلے سے زیادہ نکھرے ہوئے لہجہ میں اردو ادب کو کچھ انمول خیالات پاکیزہ لٹریچر کی صورت میں ارزاں کئے

۱۹۱۷ء کے بعد ۱۹۲۳ء میں نیاز صاحب نے دکن سے لوٹ کر نگار میں "ایک دلنواز شام" کا ذکر کیا۔ حضرت ریاض کی مرنجان و مرنج اور وسیع المشرب طبیعت یہ جوان شوخ نگاری دیکھکر

بھلا کب خاموش رہ سکتی تھی فوراً نیاز صاحب کو ایک خط لکھا اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پھر ایک عرصہ تک یہ مبارک سلسلہ جاری رہا۔

حیات میں "ریاض آپ اپنے آئینے میں" اور وفات پر نگار کا "ریاض نمبر" دراصل اسی قیمتی سلسلے کی آخری کڑیاں تھیں نیاز صاحب اور دوسرے مشاہیر کے نام حضرت ریاض کے مکاتیب سے پہلے مضمون "رقاصہ" پر حضرت ریاض کی تنقید ملاحظہ ہو

صبح عید اور ایک رقاصہ

آئیں مجرے کے لئے وہ کیوں ریاضؔ
مستحق جب یوں ہی ہوں انعام کے

نہ میکدہ نہ خلوت کدہ نہ صحن چمن نہ کہسار کا دامن صرف ایک خیالی تماشا گاہ اور اس کے اسٹیج پر کسی محو رقص کا فراد اکے ساتھ بدنما جگہ پہ ایک طغرائے امتیاز بھی یعنی "حقوق محفوظ" حقوق محفوظ کی بہت ہی کہی

ناچنے ہی کو جو نکلے تو کہاں کا گھونگھٹ

اسے رقاصہ کا وہ گھونگھٹ نہ سمجھئے جس کے کسی حصہ کو "نازک ہاتھ کی دو حنائی انگلیاں کمال فن کے اظہار میں رخسار پر تانے رکھتی ہیں" اگر رقصان طاوسی تصویر طغرائے امتیاز یعنی سر خاب کے پر سے علیحدہ رہتی تو کیا حقوق محفوظ ہو جاتے ـــــ حقوق کی غایت کیا ہے۔ آپ لطف عام کے لئے

اسٹیج پر جسے پیش کرتے ہیں اس کے ساتھ چھیڑ کا کچھ موقع مل سکتا ہے تو نگاہِ شوق کو وہ بھی دور سے --- دستِ شوق ہزار بیتابیوں پر بھی کام میں نہیں لایا جاسکتا نہ تہذیب اس کی اجازت دے سکتی ہے پھر آپ کو حقوق محفوظ کہنے پر کس خوف نے مجبور کیا ہے

گیسو تھے کوئی اور نہ تھا تم جو ڈر گئے
بن بن کے دستِ شوق وہی تاکمر گئے

رعایت مجبور کرتی ہے کہ حقوق محفوظ کی ٹٹول میں ہم زیادہ وسعتِ خیال سے کام لیں --- ایک انتہائی صورت اور بھی ہے نگاہ کو اس موقع پر جو نشاط انگیز جائز حقوق حاصل ہیں وہ تو کسی طرح روکے نہیں جاسکتے لیکن کیا ایسے موقعوں پر نگاہ اپنے حدود اختیار سے کچھ زیادہ تجاوز کرسکتی ہے ؟ ضرور۔ ایک نازک خیال شاعر کہتا ہے ؎

آنکھوں میں رکھ کے لائے انہیں جلوہ گاہ سے
ہاتھوں کا کام ہم نے لیا ہے نگاہ سے

نگاہ پورے طور سے دستِ شوق بنی ہوئی ہے بازوئیں زورِ جنوں بھرا ہوا ہے اور کام صرف اتنا ہی کہ نازک سی شئے کو جلوہ گاہ سے اٹھایا آنکھوں میں رکھا خلوت خانہ کی راہ لی۔ یہہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں

تم لئے بیٹھے رہو اب آنکھ شرمائی ہوئی

آپ جانیں اور آپ کے حقوق محفوظ مگر یہہ غایت بھی نہیں ہوسکتی آپ نے جو "رقصانِ طاوسی تصویر" اسٹیج پر پیش کی ہے وہ وہیں موجود ہے بظاہر

تو نگاہ شوق نے ہاتھہ سے چھوا بھی نہیں۔ حقوق محفوظ کہکر آپ تصور کو روک نہیں سکتے کوئی خلوت کدہ میں لیجائے یا قاف کی چوٹی پر نگاہ شوق اسٹیج پر بھی سب کچھہ کر سکتی ہے ـــ ممکن ہے یہہ خیال ہو آفت ڈھانیوالی نگاہ دل کو ابھارے۔ کھلے اسٹیج پر تکلف ہو تو پس پردہ کارروائی کیلئے تدبیر ممکن ہے اس لئے حقوق محفوظ کہکر وہ کارروائی روکی جائے جو بے ضابطہ ہو مگر یہہ اس وقت ممکن تھا جب حقوق محفوظ کہنا بھی کسی ضابطہ کے تحت میں ہوتا اس کے سوا ہمارے لئے یہہ روک ہوگی بھی نہیں

شوخی سے ہر شگوفہ کے ٹکڑے اڑا دئے
جس غنچہ پر نگاہ پڑی دل بنا دیا

ہم اس طرح ٹکڑے اڑا سکتے ہیں کہ لرزاں تصویر کے ہر حصہ پر ہم کو نشاط انگیز قابو حاصل ہو اور ہمارے دامن پر کہیں سے دھبہ نہ آئے ـــ دیکھئے کسی ناز ک ہاتھہ کی دو حنائی انگلیاں جو گھونگھٹ کا کوئی حصہ رخسار پر تانے ہوئے تھیں کس طرح ہمارے دستِ تصرف میں آگئیں۔

ہم شوق آفریں رقصاں تصویر کے ہوتے ہوئے اب آپ کے چہرے پر رنگ کا تغیر پسند نہیں کرتے جو کچھہ ہم نے کہا وہ صرف راہ نکالنے کا ڈھب تھا۔

ان سے کہنے کی کوئی راہ نکالوں تو کہوں

رقاصہ کے متعلق جو کچھہ دادِ خوش بیانی دیگئی ہے وہ آپکا حصہ ہے اور ضرور اس قابل ہے کہ باوصف تصنع بھی "طغرائے امتیاز" اس کی قدر و قیمت بڑھانے کو اس کے ساتھہ رہے۔

نہ اس ادائے بیان کا جواب ممکن نہ اس کی تقلید۔ دلگیر کا پرزور نوٹ ہمارا حاشیہ سب ناکافی

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم

بہ ایں ہمہ اس کی گنجائش ہے کہ چنی ہوئی افشاں گھٹائی بڑھائی جا سکے اور یہ کہنے کو ہو

رخ پر نور میں جگہ تھی کہاں　　　رکھنے والے کو دیکھئے تل کے

ماہِ صوم میں رات کی طرح دن کاٹنے کے لئے یہہ مشغلہ اچھا تھا مگر اچھی شکل کو بری نگاہ سے دیکھنا معصیت سے بے پرواکرنے والا نہ تھا اس لئے جہاں کی بات تھی وہیں رہنے دی

ہمیں امید ہے کہ ناظرین گلچیں کے لئے مست ناز رقاصہ کے دامن کی کلیاں صبح عید کی شگفتگی لئے ہوئے ہونگی دیکھنا یہ ہے کہ جبینِ نیاز پر ہماری دست درازی سے کہاں تک بل آتے ہیں مگر چینِ جبیں کو موجِ تبسم بنا دینا یہہ تو ہمارے لئے معمولی بات ہے بس یہہ کہنے کی دیر ہوگی ؎

اتری وہ چین جبیں موج تبسم بنکر
دیکھو دیکھو وہ ہنسی آئی وہ غصہ اترا

ساتھہ ہی ہمیں یہہ کہنے کا موقع ملیگا ؎

گھٹا عتاب تو پہنا لباسِ آرائش　　　جبیں سے چین جو اتری تو آستیں میں رہی

رقاصہ کی طرف " الناظر " کی بھی نگاہ اٹھی تھی معلوم ہوتا تھا تھہ دامن بہت سی بجلیاں ہیں مگر بات آئی گئی ہو گئی — کہئے تو چھیڑنے کو ہم اتنا اور بھی کہدیں

خدا کی دین اسے داغ اسکو خشانی   جگر پہ دانت عبث پیسے آبلہ دل کا

(۱) جناب نیاز فتیحوری کے نام

محترمی - نگار آتشیں آیا مگر سادہ لوح بنکر. صورت لپکار اٹھی

پردہ زنگاری میں جلوہ گر رہنے والا آگیا ؎

اے آمدنت باعثِ آبادئی ما

دکن کے متعلق جو کچھ لکھا اور جس طرح لکھا آپکا حصہ ہے اداسے بیان

یہ یہہ خداداد قدرت کسی سحر کار نگار کے بس کی بات ہنیں

"سر زمینِ دکن کی ایک دلنواز" یہہ عنوان یہیں ختم ہو جانا چاہیئے تھا نہ

"شام" کی ضرورت تھی نہ شب کی۔ مجھے حسرتؔ نصیب کو اپنا ایک شعر یاد آگیا.

وہ رات مزے کی ہے جو ہو بات مزے کی

کلکتہ میں گذری نہ کوئی رات مزے کی

کاش آپکے ساتھ دکن ہی میں ایک رات ایسی نصیب ہو جاتی پیری شباب سے

بدل جاتی۔ ایک بوتل میں سب کچھ ہو سکتا تھا ؎

یہ کالی کالی بوتلیں جو ہیں شراب کی   راتیں ہیں ان میں بند ہمارے شباب کی

جس دلنواز کا خیال ہے اسے ہمارا حصہ ہونا چاہیئے تھا۔ سامعہ نوازی کیلئے

بھی - دلنوازی کے لئے بھی۔ ایک حد تک نگار نے تصویر کھینچ دی۔ اس کی

ضرورت نہ رہی کہ ؎

ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں   ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے

ادائے بیان کی محویت نے تصور ہی میں سب سامان یارانِ دور افتادہ کے لئے مہیا کر دیا اور یہہ کہنے کا موقع نہ رہا ؎

بھر بھر کے جام بزم میں چھلکائے جاتے ہیں
ہم ان میں ہیں جو دور سے ترسائے جاتے ہیں

حضور صدر المہام کا لطفِ صحبت بھی خزاں دیدہ ریاض کو انگاروں پر لٹا دینے والا ہے۔ جوانی کی طرح وہ راتیں بھی یاد آگئیں جب مہاراجہ بالقابہ صدر اعظم کے دولت کدہ پر آنجہانی سرشار کو میری مہمانی کی خدمت سپرد تھی — دکن میں آپ نے ہماری جگہ لی اور سرشار کی جگہ ہوش نے۔ ہوش کا نام لیتے ہی داغ کا یہ شعر یاد آگیا ؎

پھر وں قابو میں نہ میرا دلِ ناشاد آیا
وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

میں لکھنؤ گیا آپ دکن میں تھے امتیاز صاحب جیل میں۔ میں دونوں کے پاس تھا مگر بظاہر شباب رفتہ کی طرح دور!

یہہ بھی سن لیجئے کس ماحول میں کس طرح میری زندگی بسر ہو رہی ہے۔ ماہ مبارک کے آغاز میں کہا تھا

بن کے مہماں ایک رندِ روزہ دار آنیکو ہے
شام ہونیکو ہے میرے گھر ادھار آنیکو ہے

میں خوش ہوں آپ دکن سے خوش آئے مجھے بھی خوش رکھئے مگر میں کیا خوش رہ سکتا ہوں جب امتیاز جیل میں ہیں گھر میں اور بچوں کو دعا کہئے آسی کو بہت بہت سلام

(۲)

بیس شوال کا مضمون شعر میں نہیں ادا ہو سکتا مگر یکم شوال کو کہنا پڑا تھا

میکدے میں عید مجھ مفلس کی ہو جائے ریاضؔ
دے کے اک چلو کوئی بے تیس ۳۰ روزوں کا ثواب

اب بیس ۲۰ شوال کا مضمون نثر میں سنئے

میں باہر لکھ رہا تھا اندر سے پیام آیا ہسپتال کی دائی بلوا دیجئے آدمی گیا دائی کے بدلے لیڈی ڈاکٹر آئی ایک گھنٹے کے بعد وہ یہ کہتی ہوئی نکلی ڈبل فیس یک نہ شد دو شد بھائی بہن توام مبارک تانگے کا کرایہ بدقت دیا اور فیس کے لئے جھوٹے وعدے کرنا پڑے۔

گری رام رنگو ہ سے اور گھر میں بھونی بھانگ نہیں

بچوں کی تعداد بفضلہ ایک اوپر نصف درجن۔ مجھے دیکھئے میری عمر دیکھئے۔

اس شیخ کہن سال کی اللہ ری بزرگی
جنت میں بھی یہ جا کے جواں ہو نہیں سکتا

(۳)

شوخ نگار، مدیر نگار، پیارے نیاز میرے لئے سرمایۂ ناز

پرسوں نگار آیا مجھے فوراً بھولا ہوا وعدہ یاد آیا اور میں تعمیل ارشاد میں مصروف ہوا۔ جاڑوں کی لمبی راتیں کام آئیں اور میں یہ کہنے کے قابل ہوا۔

سپردم بہ تو نامۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

ناتمام مراسلہ بھیج رہا ہوں۔ بدقسمت بھی ہوں بدخط بھی مجھے اپنا لکھا

خود نہیں پڑھا جاتا حرف نہیں تحریر قسمت کی آڑی ترچھی لکیریں ہیں
خدا کرے آپ پڑھ لیں۔

غالباً جلد لکھنؤ اس لیے آؤنگا کہ ہلال صیام بنکر میں زار و ناتواں
خیرآباد واپس آجاؤں ماہ مبارک کا آغاز لکھنؤ میں نہ ہونے پائے بھوک
کا مزہ گھر پر لطف دیتا ہے

ہماری عمر میں شاید مہِ صیام نہیں
مرے ہوے پڑے رہتے ہیں رات دن گویا

روزہ داروں کی رات مزے کی ہوتی ہے۔ میں نے خود کہا ہے۔

ہاں لطف فراشب کی ملاقاتیں ہیں
روزے نہیں ہیں سخت یہ سب باتیں ہیں

کچھ ہجر کے دن وصل کی کچھ راتیں ہیں
یاروں ہیں مہ صوم کی تعریف یہ ہے

مگر مجھ سے مفلس گرسنہ کے لئے رات دن برابر۔ مرے ہوے پڑے رہنا اچھا
کہ مہ صیام شمار عمر میں نہ رہے۔

(۳)

نیاز صاحب۔ آپ میری تصویر کو بڑھاپے میں روشناس
خلق یا رسوائے عالم کرنا چاہتے ہیں

بن پھرا اس در سے تو خلقت تماشائی ہوئی
آگے آگے داغ پیچھے پیچھے رسوائی ہوئی

میں خود اپنی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا اوروں کی نسبت کیا عرض کروں
وہ دن گئے

کس وضع کا جواں ہے کس آن بان کا
دنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاض پر

یہہ کہنے کا موقع کہاں سے

تم جوانی کے مزے لوٹو ریاضؔ عیب بھی زیبا ہے اس سن کیلئے

اب تو میرے لئے ہر ایک کو مجبوراً یہہ کہنا پڑیگا۔

جنت میں بھی یہہ جا کے جواں ہو نہیں سکتا

گو بڑھاپے کی بڑھتی ہوئی ہوس اس عمر میں بھی یہہ کہنے پر مجبور کرتی ہے

دے پیر مغاں دخترِ رز عمر رسیدہ بوڑھا ہوں ملے نور نظر چرخ کہن کی

وہ زمانہ بھی غنیمت تھا جب دھوپ چھاؤں یا نیم سپید ریش کسی کے دستِ حنائی سے رنگ حنا کی خواستگار ہوتی تھی اور کسی موقع پر خان بہادر سید احمد حسین رضوی لکھنوی سے یہہ سننا پڑا تھا۔

حنا لگا کے پہنچتے ہیں گلرخوں میں ریاضؔ

کچھہ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یا خداوند نعمت حضور مہاراجہ بہادر بالقابہ والئی محمود آباد صورت دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے

بڑے نیک طینت بڑے صاف باطن ریاضؔ آپکو کچھہ ہمیں جانتے ہیں

خود بھی رنگینیٔ خضاب کے اسباب فراہم کرکے شوقِ خضاب میں کہنا پڑا تھا

خوب ہیں شاہدانِ بازاری تم سیہ کار و ہم خضاب فروش

دیکھیے کالا منہہ کرنیکے محاورہ کو کس حسن سے ادا کیا ہے ایسے ابتذال پر غیر متبذل صد ہا شعر صدقے! آپ بھی غالباً قدر کرینگے گو بہ اعتبار ریش کالی گوری دونوں سے آپ بے نیاز ہیں۔

کالی گوری کے مبتذل استعمال نے اس وقت ایک شعر بے محل اور ریش سے غیر متعلق یاد دلا دیا شاید اتری جوانی اور ریش آہن کردہ سے گونہ دور کا تعلق ہو ـــ آپ جبیں پر بل ڈال کر بادل ناخواستہ وہ میرا مبتذل شعر بھی سن لیجیے مگر کوشش فرمائیگا کہ میرے قدرداں مہربان مولوی عبدالسلام صاحب ندوی مولف شعر الہند تک نہ پہنچنے پائے

کالی گوری کوئی نہ چھوڑی   افیوں کھا کر پی لی - توبہ

آپ اس زمانہ میں تصویر شائع کر رہے ہیں جب ریش سفید پر کوئی رنگ ہی نہیں چڑھتا نہ ساون کی مہندی کام دیتی ہے نہ کسی شوخ کے لب نازک کی شراب کی کلیاں ـــ اب ریشِ سفید نے درازی عمر شیخوخیت سے زیادہ اعتبار پیدا کر لیا ہے - کبھی کبھی دراں بچہ دہد خر گوشے بھی سن لینا پڑا مگر قصر نماز کی طرح قصر ریش کی طرف طبیعت مائل نہ ہوئی -

اب تو بہ اعتبار ریش و بروت یہہ کہنے کے بھی قابل نہیں ہوں ؎

تشنہ تھا مرا شباب پی لی   بھیگیں جو مسیں شراب پی لی

یہہ وہی زمانہ ہے کہ بغیر شراب کے مسیں بھیگ رہی تھیں

میں ڈر رہا ہوں "سارداہل" اور مسجد و اذان کا معاملہ مسلمانوں کی ریشِ مبارک پر حملہ نہ کرے اور میری ریشِ مقدس پر بھی نہ بن جائے - میں نے تو اس امید پر اسے لگا رکھا ہے کہ

خدا شرم دارد ز موئے سپید

ناظرینِ نگار و تصویر کو صرف میرے اشعار دیکھنا چاہیئے نہ کہ مجھے

کہتا تھا گلرخوں سے ریاضؔ شکستہ حال
مجھکو نہ دیکھئے میرے اشعار دیکھئے

یہہ سنتے ہی میری تصویر یقیناً نظروں سے گر جائیگی اور ناہی تاریک نقطہ نظر سے تصویر کہنچوانے کے جرم میں بھی۔ رہے اشعار زیادہ حصہ انکا بھی تاریک ہے خدا کرے یہہ ناظرین کی آنکھہ کا نور بنے اور کبھی نظر سے نہ گرے میں شعر صرف اپنے لئے کہتا ہوں جو ایسا نہیں سمجھتے ان کو اپنے مذاق کے خلاف خواہ وہ مبتذل اشعار ہوں یا عریاں۔ موقع اور محل کے لحاظ سے ضرورتاً استعمال کرنا چاہیئے ورنہ تضیع وقت اور ان کے مبتذل عریاں مذاق کا ثبوت ہے ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

ابھی عرض کر چکا ہوں ہے کالی گوری کوئی نہ چھوٹی۔ جو مبتذل بھی ہے عریاں بھی مگر دوسرے مصرع نے نہ ابتذال باقی رکھا نہ عریانی ضرب المثل کا استعمال موقع سے ہو گیا اور لغت نگاروں کے لئے سند کی وقت رفع ہو گئی۔ میں نے یہہ مثالاً کہا نہ اس خیال سے کہ میرے اشعار سند کا کام دینگے دوسری مثال امیر مینائی کے کلام سے پیش کرتا ہوں ارشاد فرماتے ہیں۔

سینے پہ چڑھ کے جس نے کیا پیار کیا ہوا

اس سے زیادہ ابتذال اور عریانی کیا ہو سکتی ہے یہہ کمال شاعری ہے کہ مصرع اول نے ابتذال و عریانی رفع کر کے شعر کو کچھہ سے کچھہ بنا دیا اب مصرع اول کے ساتھہ دوسرا مصرع ملاحظہ فرمائیے۔

اترا ہوا گلے کا ترے ہار کیا ہوا۔

جناب داغ ارشاد فرماتے ہیں۔

ایسے کو تو خدا کی قسم چھوڑنا ہے کفر
مٹی کی بھی ملے تو رولہے شباب ہیں

"قسم" شاہد پرستی کے اعتبار سے ہے یا اثرِ حسن و شباب کا تقاضہ طبیعت پر قابو نہ رہنے کی حالت میں وہی اثر قسم کے استعمال کا حامی ہے اس کا ابتذال بے محل سنانے والے کے لئے الزامی صورت پیدا کرتا ہے نہ کہ کہنے والے کے لئے۔

غالب کا شعر ملاحظہ فرمائیے جس کا مسلّمہ صحیح مذاقِ سخن اور پاکیزگی زبان و قدرتِ بیان اوروں میں کم پائی جاتی ہے ؎

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

قدرتِ بیان نے اور بے ساختہ زبان کے اتفاقی واقعات نے اس سخت قافیہ کو موزوں کرنے میں شاعری کے کمالِ فن کو ظاہر کر دیا۔

مجھے کہنا صرف یہہ تھا کہ میں شعر اپنے لئے کہتا ہوں اگر اور لوگ بھی لطف اندوز ہونے میں اپنا حق سمجھتے ہیں تو بہ اعتبار موقع و محل ان کا استعمال کریں ورنہ الزام ان کے سر۔ ان کی خاطر سے اخلاقی طور پر میں اپنے سر ہی مبتذل گوئی و لغو گوئی کا الزام لے لونگا اور آفریں کے عوض نفریں کو اپنا حصّہ سمجھونگا

تحسینِ ناشناس کا صائب ہے شکوہ سنج
نفرینِ ناشناس کا ہم کیوں گلہ کریں

(۵)

محترمی - میں ماہِ محرم میں آفتاب لب بام بنکر اپنے مراسلہ میں رخصت ہوا تھا اب بھی وہیں ہوں جہاں تھا اور نہ معلوم اپنی جگہ پر ابھی کب تک رہوں۔ زوال پذیر ماہ کامل بننے کو بھی اس لئے جی چاہتا ہے کہ

ہوتا ہے حسینوں کا یہی وقت نمائش
ورنہ مہِ کامل نہ سرِ شام نکلتا۔

مگر مہِ کامل اس آرزو میں صرف داغ اپنی تابانی سے بن سکتے تھے کہ دور ہی سے نظارہ ہو۔ وہ آسمان پر حسن جہاں افروز زمین پر۔ مجھے زمین آسمان کا بُعد محض نظارے کیلئے پسند نہیں جس کی جوانی اس طرح گذری ہو۔

کوئی نہ کوئی ہے جلوہ گستر ریاضِ معشوق ماہِ پیکر
کہ شام آئی ہے جو میرے گھر وہ چاند لائی ہے چودھویں کا

بڑھاپے میں ایسے شخص کا لب بام رہنا ہی اچھا جب تک رہے۔ چل چلاؤ کا نازک وقت بہت ہی عزیز ہوتا ہے زندگی سے اکتانے والے اور ہونگے میں تو چاہتا ہوں کتنے ہلال بدر ہوتے کتنے بدر کاہیدہ ہوتے برسوں دیکھوں - خدانے چاہا تو بتوں کے جلوے ہمیشہ اس کی یاد میں پیش پا افتادہ رہیں گے اور رشک سے مجھ پر ہلالِ عید کی طرح انگلیاں اٹھینگی۔

انگلیاں اٹھتی ہیں مجھ پر میں جدھر جاتا ہوں
عید کا چاند ہوا چاک گریباں ہونا (محمد عمر)

نگار نے تصویر سے روشناس خلق کرنا چاہا تو میں کیوں نہ کہوں

وہ ایک ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کیلئے

جینے کو میری طرح خضر علیہ السلام کا بھی جی چاہتا تھا عمرِ جاوداں کیلئے ر چور ہی بنکر سہی۔ درازیٔ عمر نے ریش سفید کے ساتھ مجھے بھی خضر صورت تو بنا دیا ہے میں کم سے کم یہہ ضرور چاہتا ہوں کہ خضر سے طنزاً کہہ سکوں ہ

ملی بھی خضر تو یہہ تم سے نیک بندے کو
گناہگار نہ تھے عمرِ جاوداں کیلئے

عمرِ جاوداں کے لئے لذتِ معاصی کے اعتبار سے حق تو میرا ہی تھا معصوم کے لئے تو عمرِ جاوداں ہمیشہ بظاہر بے لذت رہیگی۔ ان کے لئے خدا کی دین ہی تو مجھ گناہ گار سے خدا کی دین کو کیوں تکلّف ہو جو اسکے شکر میں معصیت سے زیادہ لطف پاتا ہے۔ وہ چاہے تو اپنی رحمت سے مجھ آفتابِ لبِ بام کے لئے ہر منٹ خضر کی عمرِ جاوداں بن سکتا ہے۔

میں خیر آباد چاند کی کاہید گی لئے ہوئے آیا چار دن نہیں گذرے تھے کہ ہلالِ عید یہاں انتیس ۲۹ کو نظر آ گیا یہاں کے سوا ہر جگہ ۳۰ کا چاند ہوا یہہ خدا کی میرے ساتھہ خاص رعایت تھی۔ ماہ صوم بھی گذرا عید بھی ہو چکی۔ اب مجھے یہہ کہنے کا جلد موقع ملے گا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ ایں دلِ زار ہنوز

خدا نے چاہا تو مصرع کا دوسرا ٹکڑا بار بار دہرانے کی نوبت آتی رہے گی جو تھے مصرع کا پہلا ٹکڑا یعنی برما گذشت بھی بہ شرطِ زندگی گوارا کرونگا۔

واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

(۶)

شعر الہند" کے متعلق آپ جو بحث اٹھانا چاہتے ہیں وہ نگار کا فرض اولین ہے۔ نگار میں کیا ہوگا میں نہیں جانتا مگر جو خیال ہوگا انصاف و آزادی کے ساتھ دیکھنے کا متمنی ہوں

شعر الہند کے متعلق نج کی تحریروں میں بھی لب جنبانی نہیں چاہتا نگار میں بحث چھڑنے سے پہلے دو چار باتیں ضرور کان میں ڈال دینا چاہتا ہوں ایک منتخب صحبت حیات افزا میں لطف شعر و سخن اٹھا رہی تھی جناب ہادی صاحب (کلکٹر پنشنر) نے میری غزل کے دو چار شعر سنائے ان میں یہ دو شعر بھی تھے۔

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اڑا
ہم گلچلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

ناصح کے سر پہ ایک جمائی تڑاق سے ؎ پھر ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

کم و بیش بینتالیس سال ہوئے جب یہ غزل کہی تھی اور اس کی شہرت لکھنؤ میں زیادہ ہوئی تھی۔ بھوپال جانے سے پہلے میں چالیس سال کے بعد لکھنؤ میں نواب ڈھن صاحب سے ملا وصل صاحب بھی تھے نواب صاحب نے بھی دو شعر سنائے۔ نواب صاحب پچھلی وضع و تہذیب کی یادگار سمجھے جاتے ہیں۔ اودھ اخبار یا کسی دوسرے اخبار میں بوتل والا شعر کسی انگریزی اخبار سے اس بنا پر لیا گیا تھا کہ یہ شعر لندن کے ایک جلسہ میں بہ سلسلہ لکچر سنایا گیا تھا اور اس کی وضاحت پر تمام ہال چیرز سے گونج اٹھا تھا۔

عجب اتفاق ہادی صاحب کے سنائے ہوئے یہی دو شعر نواب بڈھن صاحب نے بھی سنائے۔

حیات افزا کی صحبت میں ہادی صاحب نے اس کے متعلق تفصیلی ذکر کیا جس سے معلوم ہوا کہ جلسۂ لندن میں آپ ہی لکچرار تھے اور آپ ہی نے میرے شعر کو چار چاند لگائے تھے۔

اس صحبت کے دوسرے روز وصلی صاحب بھوپال آئے شعرالہند آپکے ہمراہ تھی جس میں یہی دونوں شعر میرے مبتذل اشعار کے نمونے کے طور پر درج تھے۔ مگر صورت بگڑی ہوئی تھی یعنی

بوتل کا کاگ زور میں بوتل کو لے اڑا

میں نہیں سمجھتا صاحب شعرالہند نے اسے مہمل کیوں نہیں لکھا غالباً مرعوب ہو کر۔ بہت مشہور شعر کو مہمل کہنے کی جرأت نہ ہو سکی — موجودہ صورت میں بوتل معہ کاگ آسمان کو جا رہی ہے اگر کاگ علیحدہ ہے تو اسکے اڑ جانے کے بعد بھی اس کا زور بوتل میں اس قدر باقی ہے کہ وہ بوتل کو اڑائے لئے جاتا ہے ؎

سمجھے وہ خوب ہی میرے مہمل کلام کو   پہنچے سلام دور سے عبدالسلام کو

دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ٹیپ یا چپت کا لفظ چھپا ہے جس کو میں استعمال نہیں کر سکتا — عامیانہ واقعات کبھی نذرِ خواص ہو جاتے ہیں اس لئے اشعار میں ایسے مذاق کا موزوں ہو جانا ابتذال کی صورت پیدا نہیں کرتا میں نے مولٰنا شوکت علی کے ایک ہنگامی واقعہ کی سرخی میں

بھی یہی دیکھا۔ میں خوش ہوں کہ وقائع نگار کی شوخی نے میرے شعر کو کچھ ابتذال سے بچا لیا تعلق اس واقعہ کا ایک چھتری سے تھا جس سے حملہ کیا گیا تھا۔ صورت نگار کر شعر الہند میں شعر کا درج کیا جانا صاحب شعر الہند کی شوخی سے نہیں تعبیر کیا جا سکتا محض سادہ لوحی ہے۔

واعظ ہے خراب خواہش خلد بالکل یہ شخص جنتی ہے

مجھے اس وقت غالب کا ایک شعر اور اس کے ساتھ ایک صاحب کی شوخی یاد آگئی۔ غالب فرماتے ہیں

سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے
لذتِ زخم بہ اندازۂ تعریر نہیں

سنانے والے نے دوسرے مصرع میں زخم کو "کفش" سے بدل دیا۔ بول چال میں ہے گیا۔ آپ کا سر کھجاتا ہے جس موقع پر اسے بولتے ہیں اس کے اعتبار سے بدلا ہوا لفظ خاص مناسبت پیدا کر لیتا ہے یہ اتفاق ہے کہ مولف کو غالب سے عقیدت ہے کاوش نہیں ورنہ مبتذل اشعار کے نمونے میں یہ شعر درج ہوتا اور زخم کا لفظ بدل جاتا۔ اس زمین میں مجھے دو شعر اور یاد آئے۔

کس شوق سے شریکِ جماعت ہوئے تھے ہم
دیکھا سلام پھیر کے تو شیخ جی نہیں

سر ہے نرا بجائے سبو جھوٹ کیوں کہوں واعظ حرام چیز کبھی میں نے پی نہیں

پرنس ہوٹل لکھنؤ میں عبدالسلام صاحب مجھے ملے تھے انہوں نے خواہش کی کہ اپنا کلام شعر الہند کے لیئے دوں میں نے خوش مزاج سمجھکر ایسے پیرایہ میں گفتگو کی کہ گراں نہ گذرے اور کلام دینے اور سنانے سے احتراز کیا اول تو میرا کلام اخباروں اور رسالوں میں اس قدر موجود تھا کہ مجھے مانگنے کی ضرورت نہ تھی دوسرے صاحب شعر الہند نے جناب محمد احمد صریر مینائی خلف امیر مینائی کو طولانی خط بھیجکر ایسا سرمایہ طلب فرمایا تھا کہ امیر و داغ کے موازنہ کلام میں کام آئے ساتھ ہی یہہ بھی تحریر تھا کہ میری تمام تر کوشش یہہ ہو گی کہ امیر کا درجہ داغ سے گھٹنے نہ پائے اور وہ داغ کے برابر نظر آئیں۔ اس تحریر سے پایا جاتا ہے کہ وہ موازنہ کے لائق نہیں ہیں مگر ان پر یہہ احسان کیا جائیگا۔ صریر مینائی نے یہہ خط مجھے بھیجدیا میں نے اس خیال سے کہ عبدالسلام صاحب تنقید کلام سے پیشتر امیر کے خلاف رائے قائم کر چکے ہیں اب مروت یا وجہہ خاص سے خلاف ضمیر کام کرنا چاہتے ہیں صریر صاحب کو لکھدیا کہ جواب قلم انداز کیا جائے۔

صاحب شعر الہند کی طرح ہر شخص اظہار رائے میں آزاد ہے وہ گو کیساہی درجہ رکھتے ہوں نہ سخن فہم ہیں نہ سخن سنج!

حکیم عبدالحی مرحوم نے "گل رعنا" کی طرف توجہہ فرمائی انہوں نے شعر الہند کیطرف جن لوگوں پہ صاحب شعر الہند نے تنقید میں حملہ کیا ہے ان کے لئے یہہ شعر کافی ہے

تحسین ناشناس کا صائب ہے شکوہ سنج
نفرین ناشناس کا ہم کیوں گلہ کریں

تعجب ہے کہ ندوہ ایسا دار العلم کا تعلیم یافتہ جس نے مولنا شبلی اور مولنا سلیمان کے سایۂ دامن میں وقت گذرا ہو وہ مصحفی - اسیر - امیر اور جلیل کے متعلق جادۂ تہذیب سے ہٹ جائے

میری نسبت ضرور انھوں نے اچھے الفاظ کا استعمال کیا مگر مجھے گونہ شکایت اس لئے ہے کہ انھوں نے مجھے حریف داغ مضبوط رائے کیساتھ تسلیم کیا ہے حالانکہ مجھے تو اس حرف کا بھی درجہ حاصل نہیں جو داغ کے قلم سے سہواً نکل گیا ہو

——— (۷) ———

۲ میر ناصر علی اڈیٹر "صلائے عام" دہلی کے نام

اقلیم سخن میں دو شخص ہیں ان دو میں ایک "ناصر" اس کا نمبر دوسرے سے بڑھا ہے چاہتا ہوں دوسرے کو جلد سے جلد موت آئے اور اس کی عمر کا حصہ ناصر کو ملجائے - ناصر سے بہتر نثر لکھنے والا نہیں گذرا جو بات ناصر ادا کر رہا ہے اسی کا حصہ ہے ـــ شعر کا سر تاج غالب پرانے زمانہ کا آدمی تھا اس کو کچھ نسبت نہیں اچھے سے اچھا فارسی کا شاعر پرانا ہو یا نیا - یورپ کا عمدہ سے عمدہ مضمون آفریں لٹریچر پر سخت حکومت کرنیوالا ناصر کی تقلید نہیں کر سکتا ـــ حسد اور رشک کا تقاضہ یہہ ہے کہ میں ناصر کو برا کہوں - ہاں آپ میرے کسی فقرے کو صلائے عام کی ڈاک میں نہ چھاپ دیجیگا کہ مجھے تردید کی ضرورت پیش آئے -

(۸)

۳۔ شاہ دلگیر اڈیٹر "نقاد" آگرہ کے نام

کل میں لکھنؤ آیا تو آپ کے دو کارڈ ملے۔ میں جب آگرہ گیا تھا تو خوش تھا کہ آپ سے ملونگا افسوس آپ موجود نہ تھے میں اس وقت بھی مردہ تھا جب آپ مجھ سے ملے تھے اور اب تو بوسیدہ ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں البتہ اس اعتبار سے بہت اچھا ہوں ؎ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

ہم رہے باغ و بوستاں نہ رہا　　اب کہاں جائیں آشیاں نہ رہا
اب جفائے فلک جفا نہ رہی　　آسماں اب وہ آسماں نہ رہا
عمر تیری سوا ہو حسرتِ مرگ　　شکوۂ عمرِ جاوداں نہ رہا

آپ مجھکو اپنی دلی محبت سے آفتاب سخن بنا کر نمایاں کرنا چاہتے ہیں میں وہ داغ دل ہوں جو کبھی نمایاں ہو نہیں سکتا۔ دعا کیجیئے قبر سے اپنا یہ مصرع پڑھتا نکلوں۔

ہم گنہگار بھی اللہ کے پیارے نکلے

بہ تعمیل ارشاد ایک غزل بھیجتا ہوں جو داغ کی مشہور زمین میں ہے اتنک میں نے اسے چھپائے رکھا تھا۔

(۹)

۴۔ دل شاہجہانپوری کے نام

مکرمی۔ بہ ترمیم و بلا ترمیم آپ جو کچھ چاہیں اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔ میرے الفاظ ذیل آپ کے اتفاق اور اختلاف کے محتاج ہیں وہ بھی

صرف میری آپ کی آگاہی کے لئے

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

یہ مصرع کبھی میری نظر سے گذرا ہے میں پرے کے لفظ کو متروک سمجھتا ہوں داغ۔ امیر۔ جلال نے بھی استعمال نہیں کیا نہ ان کے متبعین نے عام بول چال میں بھی نہیں۔ دلی والے شاید بولتے ہیں۔

پرے کا استعمال بے وجہ ہوا ہے ممکن ہے بہت پرانی غزل منشی صاحب کی دیکھی ہوئی ہو اس صورت میں نوٹ دیدینا ضروری تھا۔ میں نے بے تکلفانہ اپنا خیال ظاہر کر دیا نہ جواب کی ضرورت ہے نہ بحث کی

۲۔ اب تو ہر ہر نفس سردہے افسانۂ دل — ہر ہر کا لفظ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

۳۔ کہ ایک وقت میں ہم ترکِ آرزو کرتے

اس کے لئے ایک وقت میں کیسا۔ اس وقت ضرورت میری سمجھ میں نہیں آئی شاید آئندہ آجائے۔

۴۔ اٹھے تو محو تمنا ہلے تو غرقِ نیاز

عزیز نے بھی انتخاب میں لیا۔ میرے خیال میں غرق کا لفظ بہ اعتبار مناسبت کوئی رعایتی لفظ چاہتا ہے جیسے غرق بحرالفت یا آبِ خجالت۔

دیوان میں جب کوئی بات قابل استفسار نظر آئیگی آپ سے دریافت کرونگا

نیاز نے مقدمہ میں بے ضرورت داغ کا یہ شعر لکھکر ؎

کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور — کیا چیز حرام ہو گئی ہے

داغ کو میخوار ظاہر کیا ہے اور فوری ثبوت بھی اسی شعر سے دیا ہے۔ یہہ اشارہ فرما کر کہ پینے والے کو زیادہ مزا دیتا ہے اپنی نسبت بھی لوگوں کو بدگمانی کا موقع دید یا آپ کو صاف صاف دامن آلودہ نہیں کیا غنیمت ہے۔ مجھے نیاز سے بہت یکجائی رہی میں نے کبھی پیتے نہیں دیکھا نہ ایسی حالت میں کہ شبہہ کر سکوں مگر مجھے تو بحث داغ سے ہے۔ کیا داغ کے پینے نہ پینے کی نسبت آپ کچھہ کہہ سکتے ہیں

یہہ غیر ضروری باتیں اس وقت میرے قلم سے نکل گئیں میں خود نیاز سے کبھی پوچھ لونگا۔ میں نے آپ کا وقت ضائع کیا معاف کیجئے اور اپنا ہوا خواہ و دعاگو سمجھئے اب لکھنے پڑھنے سے معذور ہوتا جاتا ہوں اور ساتھہ ہی

کچھہ اپنے حال کا مجھے احساس ہی نہیں
یہہ میں ہوں پیرہن میں کہ مردہ کفن میں ہے

میرا دستِ مرتعش نہ دل شکنی روا رکھو سکتا ہے نہ کچھہ لکھہ سکتا ہے۔ آپکی کہنہ مشقی اور خدائے سخن امیر کیساتھ امتیازی خصوصیت مقدمہ اور تبصرہ دیوان کی محتاج نہ تھی مگر ظلم تھا اگر مقدمہ اور تبصرہ سے نیاز و عزیز آپ کی قدر افزائی نہ فرماتے۔ عزیز صاحب کی کم نگاری جن اسباب سے ہو سحر طراز مدیر نگار سے دوش بدوش ہے۔ میں اس لئے دونوں حضرات کا شکر گذار ہوں کہ میرے پہلو نشین حضرت "دل" کا معاملہ ہے مجھہ میں اور دل میں اتنا فرق ہے کہ میرا مجموعہ کلام ابتذال سے خالی نہیں اور

ان کا کلام اس سے پاک ہے جس کی تمام خصوصیتیں مقدمے اور تبصرے
میں نہایت حسن سے ظاہر کردی گئی ہیں۔ کتابت طباعت کاغذ اس کے
سوا تمام مجموعۂ کلام جاذب ونظر فریب ہے۔ انگریزی مذاق بہ اعتبار
تعلیم شاید حرف گیری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے مگر مقدمہ اور تبصرہ
نے دیوان کو اس سے بھی بے نیاز کردیا ہے۔
مذاق کی پاکیزگی زبان کی پاکیزگی حسن بیان اور سحر بیان معنی آفرینی
جدت طرازی سب کچھ اس مجموعہ میں ہے وہ اچھوتی چیز بھی چھوٹی
نہیں جسکے سبب مجھے نیاز نے نئے انداز سے مقدمہ میں انگشت نما کیا۔ وہ
انگشت جس پر لبِ ساغر کی لالہ گوں جھلک ہے حنا کی نہیں۔ میں سرخی حنا کا طالب تھا
ہر چہ از دوست میرسد نیکوست۔

(۱۰)

۵ - احسنؔ مارہروی کے نام

مکرمی:۔ کاغذِ زر ہاتھ آنے سے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی
آپکے خط سے۔ جواب میں تاخیر اس لئے ہوئی۔ پانچ روز ہوئے دو دست
آئے تیسری مرتبہ جانے پر دست نہیں آیا غش آیا خفیف اجابت سے
فارغ ہو کر واپس ہونیکو قدم اٹھایا تھا کہ پختہ قدمچوں پر بائیں کروٹ
دراز تھا۔ نالی میں گرا نہ قدمچہ کے اندر ورنہ رخصت تھا۔ بائیں ہاتھ
اور داہنے پاؤں میں زخم۔ دو رات دن لبستر استراحت پر رہا اب بفضلہ
اچھا ہوں سب بچے بھی اچھے ہیں ان کے ماں باپ بھی۔
آپ علیگڈھ آنے کیلئے اصرار کر رہے ہیں میرے مکرم میں ہرگز سفر نہیں

کر سکتا اس خیال کو قطعاً جانے دیجیے امکان ہوتا تو میں خاطر شکنی کبھی روا نہ رکھتا۔ آپ جب لکھنؤ آئیں مجھے لکھیں ضرور آؤنگا خدا آپ کے اس مشاعرہ کو کامیاب کرے۔

کاش ریاض و احسن کبھی جدا نہ ہوتے خدا آپ کو اتنا دیدے کہ میں آپکے پاس بسر کرسکوں اب بہت ضعیف ہو گیا ہوں اور ضرورت سے زیادہ مفلس ——"ضرورت والا" وصل کا سخن تکیہ ہے موقع ہو یا نہ ہو——

جلد جلد مجھے یاد کرتے رہئے۔ والتسلیم۔

رسما ایک ناتمام غزل کا ایک شعر ؎

ہماری زمزمی میں آب زمزم بھی ہے وہ شئے بھی
ہوئے ہیں جمع اس میں آگ پانی دیکھتے جاؤ

آپ زردار ہوتے تو ایک شعر سنانے کے سو روپے طلب کرتا۔ کم سے کم آپ مولوی سبحان اللہ خاں ہوتے

——(۱۱)——

مکرمی:- دیوانہ بنانے والے الفاظ آپ کے محبت نامہ میں میری نظر سے گذرے۔ میں تو خود کو احسن کا زرخرید سمجھتا ہوں دیوانہ بنائیں فرزانہ بنائیں ہر طرح بنائیں۔ چشم ما روشن دل ما شاد

مجھے شوق ہے چوری چوری آپکی موجودگی اور دیر کی موجودگی کا پتہ لگا کر (کیسے ہی کسی) نہ کسی طرح مارہرہ پہنچ جاؤں اور یہ شعر سناؤں ؎

یار کے بند قبا آہستہ وا کرنے کو تھے   چوری چوری کچھ نہ پوچھو رات کیا کرنے کو تھے

مجھے کبھی لکھ بھیجئے گا یہ کس کا شعر ہے۔

طرح میں غزل کہنے کی کوشش کرونگا یہاں تک لکھکر میں نے مطبوعہ دعوت نامہ دیکھا اس میں ۵ ر اگست تحریر ہے۔ ۵ ر اگست تو سر پر آگئی مجھے کم سے کم بیس ۲۰ روز کی فرصت درکار ہے بہر حال انتہائی کوشش سے کام لونگا۔ آپنے غلطی کی مجھے ۵ روپیہ فی شعر معاوضہ دینے کو لکھہ دیا ہوتا دنیا کے کام چھوڑ کے مصروف کار ہو جاتا آئندہ کیلئے ایک فی شعر سہی — یہہ استدعا نہیں کہ پیشگی محض دھوکہا دینے کے لئے کہ لالچ میں پڑکر اور چہ خورد با مداد فرزندم غلط سہارا پاکر مصروف کار ہو جاؤں آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے اور جب ملوں دلیر بھی ہوں۔ دلیر کے مزاج و مذاق سے نا آشنا ہوں بہر حال وہ میری بزرگ داشت میں کوتاہی کبھی نہ کرینگے — آپ مجھے اپنا بہت مشتاق سمجھکر کہیں خیر آباد نہ تشریف لے آئیگا اس خیال سے میں ڈر گیا۔ میں ہرگز آپ کا متمنی نہیں ہوں نہ آپ سے مجھے لطف ہے۔ میں دنیا سازی کے برتاوٗ سے ایسے فقرے لکھہ دیا کرتا ہوں کہ آپ خوش ہو جائیں اور میں اس طرح آپ کو بناکر دیوانہ بنانے والے آپ کے الفاظ کا بدلہ لے لوں

کارڈ ختم۔ مضمون ختم۔ دلیر کے سلام کا جواب سلام زیادہ کچھہ نہیں۔

(۱۲)

مکرمی۔ کل ۳۱ ر کو غزل کہی غزل کیا بدنما قافیہ پیمائی کی اس امید پر کہ آپ اور دلیر میری غزل درست فرمائینگے۔ توجہہ فرمائی کا موقع نہ ہو تو

چاک فرما دیں۔ میں تو اب لکھنے پڑھنے سے مجبور ہو رہا ہوں طرح مشاعرہ اور زمین اچھے قافیوں کے ساتھ بہت شگفتہ ہے انشاء اللہ مشاعرہ بہت کامیاب رہیگا اپنی غزل اور دیر کی غزل مجھے بھیجہ بجیگا تو شکر گذار ہونگا اب تو دور جدید شاعری کو مٹائے دیتا ہے اس دس سال کے پاس شدہ بہت ہی باشعور رہو کر بہت ہی بے شعور نکلے۔

میں اپنے مصائب میں مبتلا ہوں یہہ آخری وقت بہت ہی تلخی سے گذر رہا ہے امراض بھی افلاس بھی اللہ رحم کرے۔ ریاض

(۱۳)

۶۔ حکیم خیر آبادی مدظلہ کے نام

والا ابرادر۔ غزل واپس بھیجتا ہوں اس سخت زمین میں آپ نے بہت ہی لطف پیدا کر دیا پندرہ دن سے نیاز (جناب سید نیاز احمد صاحب نیاز پنشنر پولیس مرحوم) کا خط نہیں آیا مجھ نیم جان کی جان انہیں لگی ہوئی ہے میرے لئے آپ تاب و تواں ہیں۔

شعر حکیم۔ ہے شکستِ دل صدائے دردِ دل | آہ و نالہ ہے نوائے دردِ دل ۲۵

اصلاح۔ " " | کتنی نازک ہے " "

شعر حکیم۔ پھل ملے فوراً محبت کا اسے | جو لگائے دل وہ پائے دردِ دل ۴

شعر حکیم۔ سانس کہتی ہے گھٹا جاتا ہے دم | آج ٹھنڈی ہے ہوائے دردِ دل

اصلاح۔ " " " " | بگڑی " "

شعر حکیم۔ سانس سینے میں سماتی ہی نہیں | اور ہی اب ہے ہوائے دردِ دل ۲۵

شعر حکیم — جیسے دل میں چٹکیاں لیتے ہیں وہ | جان لیوا ہے ادائے دردِ دل ۴۴۴

اصلاح — " " " | ان سے ملتی ہے " "

شعر حکیم — خاکِ دل سے درد کے پودے اگیں | خاک میں دل کو ملائے دردِ دل ۴۴

اصلاح — ذروں سے پیدا چمک ہو درد کی " "

مقطع — وصل ہو یا موت ہی آئے حکیم | ختم ہو یہ ہائے ہائے دردِ دل

——— (۱۴) ———

۷۔ آقائے سخن سیّد محمد عسکری صاحب وسیم مغفور کے نام

جناب بھائی صاحب تسلیم

"مشرق" میں آپ کی اصلاحیں دیکھیں جو آپکی قادر الکلامی کو ظاہر کر رہی ہیں بعض اصلاحیں تو ایسی ہیں جنہیں الہام کہنا چاہیئے۔ میں کیا روح امیرؔ ناز کرتی ہوگی۔

میری غزل پر ایک صاحب نے اعتراض کئے ہیں میں اپنی رائے آپ کو لکھتا ہوں آپ اپنی رائے سے مجھ کو آگاہ فرمائیے

شعر ریاضؔ — تنکے چنکر ہم جفائے باغباں دکھائے
روز بنتے روز اجڑتے آشیاں دکھائے

اعتراض — تنکے چن کر خلاف محاورہ ہے تنکے چننا مراد ہے دیوانہ وار حالت سے

قول ریاضؔ — یہاں تنکے چننا اصلی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے یعنی تنکے جمع کرکے۔ کسی فرش پر چند تنکے پڑے ہوں اور کسی سے کہا جائے یہ تنکے چن لیجیے تو کیا اس کا مفہوم دیوانہ وار حالت ہوگی میں تو سمجھتا ہوں تنکے

چن لیجئے سے تنکے صاف کر دیجئے کا مفہوم پیدا ہوتا ہے موقع کے لحاظ سے لفظ "چننا" کے معنی بدلتے رہیں گے۔ کسی کا شعر ہے

بڑی ہی مصیبت سے تنکے چنے تھے   نہ ٹھہرے مگر آشیانے کے قابل

شعر ریاض — ایسے غافل وہ یہ سمجھے دیکھتے ہیں خواب ہم
آتے جاتے شب میں ہم کو پاسباں دیکھا کئے

اعتراض — عاشق کی کیا طاقت کہ آتا جاتا اور معشوق غل نہ مچاتا ہاں یوں ہوتا تو شاید کچھ ہوتا۔

میں لباس غیر میں تھا مجھکو کیا پہچانتے
آتے جاتے شب میں مجھکو پاسباں دیکھا کئے

قول ریاض — میرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ مجھے پاسبانوں نے شب میں آتے جاتے دیکھا مگر وہ ایسے غافل اور مطمئن تھے کہ میرا آنا جانا محال سمجھکر سمجھے تو یہ سمجھے گویا خواب دیکھ رہے ہیں۔

شعر ریاض — زرفشاں شب کو قبائے آسماں دیکھا کئے
عمر بھر ہم پیر گردوں کو جواں دیکھا کئے

اعتراض — زرفشاں کی جگہ زنگین ہونا چاہیئے

قول ریاض — شب کی رعایت سے رنگین کو زرفشاں پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔

شعر ریاض — مٹی دیکر میری مٹی میں ہوئے اچھے شریک
خاک میں ملتا رہا میں مہرباں دیکھا کئے

اعتراض — مٹی دیکر۔ خاک میں ملا کر کی جگہ غلط ہے۔

قول ریاض — تدفین کی رسم مٹی دینے سے تعبیر کیجاتی ہے۔ زبانوں پر ہے کہ ہم فلاں شخص کو مٹی دینے گئے تھے اور اس کی مٹی میں شریک ہونا بھی بولتے ہیں۔ دماغ بہت ضعیف ہوگیا ہے اس لئے میں خود کوئی رائے نہیں قایم کرسکتا۔ معترضین کا احسان ہے کہ اصلاح کی کوشش فرماتے ہیں

(۱۵)

۸۔ مولوی سبحان اللہ خاں عظیم رئیس گورکھپور کے نام

حضور والا۔ "لاشہ" والا شعر عرض کردیا تھا خارج کردیا جائے (میرے خیال میں ایک مستطیل خط موج کے ساتھ وجہ تشبیہ بن سکتا ہے) میں اس سے اتفاق نہیں کرونگا کہ موجیت لاشہ میں نہیں ہے ایک خط فرض کر لیجئے۔ آپ کا مصرع بہت خوب ہے

لاشہ مرا ہے یا کوئی بوتل ہے سر بہ مہر

بہت خوب بہت خوب۔ مصرعِ ثانی بھی برابر کا ہے۔

تربت ہے میری یا کوئی بھٹی شراب کی

مگر میں اپنی "تربت" کو بھٹی کبھی نہ کہہ سکونگا۔ اینٹ کا بھٹہ ہو تو آگ دھوبی کی بھٹی ہو تو آگ شیشہ گر کی بھٹی ہو تو آگ شراب کی بھٹی ہو تو آگ۔ میں اس موقع پر اپنے شعر میں با وصف عمدہ معنویت کے بھی "بھٹی" کا لفظ نہ رکھونگا۔ میری ضد مان لیجئے یہ شعر کسیکو دیدیجئے جرڈبرشاہ کو دیدیجئے شعر کیوں ضایع جائے۔

بھٹی خانہ جس میں کئی بھٹیاں روشن ہوں صحیح ہے۔ تربت کو شراب کی بھٹی

کر دنیا اسے میخانہ نہیں بنا سکتا۔

۲- دامنِ برق حجاب اب دمِ دیدار نہ ہو

بیشک الف گر کر "بب" پڑھا جاتا ہے گو جہاں کہیں ایسے موقع پر الف گر ےگا کوئی نہ کوئی بے معنیٰ لفظ بنیگا مگر بب زیادہ کریہہ ہے آپ نے حجاب کی اضافت سے کام لیکر مصرع خوب بنایا مگر میں سمجھتا ہوں اس مصرع میں ضرورت "دیدار" کی ہے۔ میں ایسے موقع پر رخِ دلدار نہیں کہہ سکتا مجبور ہوں لہذا میں نے مصرع یوں بدل دیا ہے

دامنِ صاعقہ حاجب دمِ دیدار نہ ہو
جس سے بجلی گرے وہ گرمئ گفتار نہ ہو

حاجب کی جگہ "پردہ" کا لفظ بھی آسکتا ہے مگر حاجب کو ترجیح ہے۔
بھٹی والا شعر میں نے یوں بدل دیا ہے

لاشہ مرا ہے یا مئے رنگین کی موج ہے
تربت مری ہے یا کوئی بوتل شراب کی

۳- فرہاد بھی مجنوں بھی لیتے ہیں قدم میرے
ایسا بھی نہ ہو کوئی اس عشق میں دیوانہ

آپنے دوسرا مصرع ؎ اس شان سے ہو کوئی دیکھوں تو میں دیوانہ بنایا ہے۔ ضرورت ترمیم سمجھ میں نہ آئی گو اصلاحی مصرع میں "شان" کے لفظ سے مصرع بہت بلند ہو گیا مگر "دیوانہ" دور واقع ہونے سے درجہ گر گیا اس لئے میں آپ کے مصرع میں ترمیم کئے دیتا ہوں۔

دیوانوں میں ہوں میں اک اس شان کا دیوانہ

۴۔ دیکھے جو کوئی آنکھ میری آنکھ بھر آئے
اس طرح میری آنکھ میں لختِ جگر آئے

اصلاح
اس طرح میرے اشکوں میں لختِ جگر آئے

پہلے مصرع میں دیکھے جو کوئی آنکھ مری۔ کے بجائے دیکھے "میرے آنسو جو کوئی" آپ نے پسند کیا ہے آنسو کا لفظ آپ نے شاید اس لئے تبدیل کیا کہ آنکھ میں لختِ جگر نہیں آتے بلکہ آنکھ سے آتے ہیں یا آنکھ میں ہو کر آتے ہیں یہ الفاظ دیگر آپ کی مسلمہ دونوں صورتوں میں لختِ جگر کا آنکھ میں آنا گویا قطعی ہے ؎

(۱۶)

۹۔ سید فیاض احمد رازؔ مرحوم برادر خورد کے نام

برادرم فیاض۔ وسیم صاحب مجھے اسٹیشن پر ملے اتفاق سے قاضی صاحب (سر عزیز الدین) بھی اسٹیشن پر موجود تھے نہایت تپاک سے ملے انہیں کے موٹر پر ہم دونوں کوٹھی پر گئے چار۔ شیرینی۔ مرغ پلاؤ غرضکہ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رہا۔ تمہاری نسبت گفتگو آئی خود ان کو دل سے خیال ہے۔ وعدہ کر لیا ہے کہ ۱۹ر نومبر کو میں خود فیاض کو ساتھ لیکر دتیا جاونگا۔ امید تو ہر طرح سے ہے آگے تقدیر!
میں جانتا تھا کہ وہ جے پور میں ہوں گے اسلئے مجھے زیادہ اطمینان تھا مگر وہ دتیا ہی میں ہیں اور دتیا چھوٹی ریاست ہے یعنی صرف ۱۸ لاکھ کی

بہرحال تمہارے مناسب وہ ضرور جگہ نکالینگے انشاء اللہ المستعان۔
میں نے نیازؔ (سید نیاز احمد مرحوم سپرنٹنڈنٹ پولیس بھوپال) کو بھی لکھا ہے دیکھوں کیا جواب آتا ہے میرے نزدیک دتیا اور بھوپال میں زمین آسمان کا فرق ہے ـــــ مگر نیازؔ کو یہہ خیال ضرور ہوگا کہ فیاض کے دل میں کشیدگی ہے اسی لئے اس نے پینشن وغیرہ کا حال لکھکر بھوپال میں جگہ کے لئے کوئی استدعا نہیں کی اس لئے ضروری ہے کہ تم نیاز کو خود بھی لکھو ـــ اگر دتیا میں خدا نخواستہ صورت نہ نکلی اور تمہیں بھوپال جانا منظور نہ ہوا تو میں گوالیار کے لئے مضطر (اعتبار الملک خیرآبادی) کو لکھونگا۔ بہرصورت اس وقت تو دتیا کے نتیجے کا انتظار کرنا ہوگا اسوقت تک تم کو خیرآباد ہی میں قیام کرنا ہوگا۔ کل میں نے تمہاری ضرورت کے موافق وسیم صاحب کے ساتھہ جاکر بنک سے روپیہ نکال لیا ہے۔ میں ہرطرح اسکی کوشش کرونگا کہ تمہاری تمام ضرورتیں رفع ہوں اور تکلیف نہ ہو بچوں کو دعا

ــــــــ(۱۷)ــــــــ

۱۰۔ بنت سید نیاز احمد صاحب مرحوم کے نام

رات بھر میں نے غور کیا اور تجویز کیا کہ میری رائے کے خلاف آئندہ ایک حرف بھی نہ ہو۔ مجھکو ہمیشہ نیاز احمد اور عقیل رئیس سے زیادہ بہی خواہ سمجھو۔ مجھے تمہارے بیجا عتاب کا کچھہ بھی خیال نہیں رہتا جب میں یاد کرتا ہوں کہ تم نے لکھیم پور میں کس محبت سے گھی میں تر کرکے اور نرم بناکر مجھے روٹی کھلائی تھی اور اس کے سوا بھی کئی بار ـ میں نے تمہارے منتر درست کردیئے عقیل

کو دکھا دنیا۔ والدعا

(۱۸)

۱۱۔ رئیس احمد جعفری کے نام

نور چشم۔ دعا نیاز احمد کی عدم موجودگی میں تمہارا خط مجھے ملا اور میں نے اسے بغور دیکھا اور تحریر دیکھکر بے اختیار زبان سے نکلا

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

مگر طرزِ تحریر پر افسوس ہوا۔ شوخیٔ تحریر گستاخی کے درجہ پر تھی اپنے متعلق جدید لٹریچر دیکھکر تمہارے مدعا کے موافق ضرور ہنسی آگئی۔ تم اسے شاعرانہ تبسم سے تعبیر کرو مگر ہنسایا مجھے "تبسم کی برق پاشی" نے برق پاشی تبسم ترکیب خوشنما ہے جو بعض پرچوں میں نور چشم عقیل کی نظر سے گذری اور عقیل سے تم نے یہہ فقرہ لیا۔ عرق پاش نمک پاش صحیح ہے برق کیا چھڑکی جائیگی۔

(۱۹)

۱۲۔ عقیل احمد جعفری کے نام

نور چشم۔ وجیہہ الدین کو وی پی اور جلیل کو نمونہ خیر جلیل کو بھی وی پی! جمیل احمد صاحب طاہر کو نمونہ بھیجا اچھا کیا ان کی غزل اور معشوق علی صاحب اطہر منصف جے پور کا مضمون معہ غزل جون میں نکل جانا چاہیئے۔

مئی کا پرچہ بہت اعلیٰ مضامین کے ساتھ شائع ہوا اپنے مشہور معاصر

پرچوں سے کس طرح کم نہیں اول سے آخر تک ماشااللہ کامیاب ہے بارہ بنکی میں تمہارا "اعجاز" دیکھکر مجھے گورکھپور کا اپنا "فتنہ" یاد آتا ہے

ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگا

تمہارے دوست اثیم ابھی تمہارے ساتھ نہیں ہیں شروع میں وسیم کا اور ریاض کا بھی ساتھ نہیں تھا شبنمؔ کو گونڈے بہرائچ فیض آباد وغیرہ دورے پر ضرور بھیجو — تنقید و تبصرہ میں "اودھ پنچ" کا نام دیکھکر یاد آیا تم اودھ پنچ کا نوٹ جو "اعجاز" پر شایع ہوا ہے نقل کرکے مجھے بھیجدو۔ میں دیکھونگا — "فلسفۂ موسیقی" حکیم عبدالقوی صاحب کا حصّہ ہے۔ معلومات کا ذخیرہ لٹریچر لطیف اور بے ساختہ — "نیرنگ" رامپور کیا تمہارے یہاں نہیں آتا منگواؤ میں اس کا مینائی نمبر دیکھنا چاہتا ہوں حکیم عبدالوالی صاحب کا "خواب" بھی خوب ہے نیز "اخیار مونی" کی انشا پردازی بھی — ایک خط دلگیر صاحب کو لکھو۔

قبلہ وکعبہ ریاض نے کہا ہے کہ اعجاز بھیجکر دلگیر صاحب سے
نظم ونثر دونوں طلب کرو وہ اعجاز کو اپنا نقاد سمجھینگے اور
اسے نمونۂ نقاد بنانیکی کوشش کرینگے۔ خریدار بھی دینگے اور
سیماب صاحب کو بھی متوجہ کرینگے اور اعجاز کو ریاض کا
پرچہ سمجھینگے جیسا کہ نقاد کو میں اپنا پرچہ سمجھتا تھا۔

جب خیر آباد آنا تو نواب جعفر علیخاں صاحب اثر کو مجھ سے خط لکھوانا اور اناؤ کے مشہور وکیل رواںؔ صاحب کو بھی نیز قاضی تلمذ حسین ایم اے

(علیگ) کو — میری غزل محرّم میں جب آنا تو اپنے ساتھہ لیجانا۔ میں اعجاز کے نئے اصلاح زبان کے عنوان سے جلد لکھونگا وہ امور ملحوظ رہینگے جو تم نے لکھے ہیں۔

اعجاز کی ضخامت بغایت مجبوری تین جز کردی جائے مگر دنیا کہے تو بھی تقطیع نہ کم کیجائے — محکمۂ نہر کے افسر جناب محسن علی صاحب کے تبادلہ پر تمہارے حسب فرمایش میں نے جو نظم لکھی تھی —

خضر نکر چشمۂ حیواں کا پانی دے چلے
حضرت محسن علی اپنی نشانی دے چلے

وہ مجھے نہیں ملتی ہے۔ تم نے صاحب موصوف کو پیش کرنے کیلئے چھپوائی تھی اس کی ضرور کوئی کاپی تمہارے پاس ہوگی اپنے ساتھہ یاد کرکے لیے آنا ترتیب دیواں کے سلسلے میں مجھے اس کی ضرورت ہے۔

یہاں سب خیریت ہے بچے اچھے ہیں سب اچھے ہیں تمہاری والدہ بھی والدعا تم اپنی صحت کا ہمیشہ خیال رکھو

ریاض

ادبُ العالیہ

مرحوم ایم مہدی حسن افادی الاقتصادی مشہور جواں مرگ ادیب جیسا صیحح مذاق نقد رکھتے تھے اس کا کچھ اندازہ حضرت ریاض مرحوم کے متعلق ان کی مندرجۂ ذیل سطروں سے ہوسکتا ہے۔

"نقاد" میں ریاض کا ایک خط دیکھکر مہدی نے تلملا کر زندگی میں ریاض کو جس محبت سے "مرحوم" لکھدیا تھا اس کا لطف کچھ دل ہی اٹھا سکتا ہے حضرتِ ریاض کی نسبت وہ لکھتے ہیں۔

ریاض کی چند سطریں دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کیا آپ انکو میری طرح تفصیل سے جانتے ہیں یاد ایام بیس برس کی رفاقتیں آنکھوں کے سامنے پھر گئیں۔

مرحوم ریاض (خدا اسے مدتوں جلائے) عروس سخن کا آشنائے ازل ہے آپ لٹریچر کی جن نزاکتوں پر مٹے ہوئے ہیں وہ ریاض کے قلم کی آوازِ بازگشت ہے۔ آج لٹریچر پر طبع آزمائی کے لئے بہتیرے اٹھ کھڑے ہونگے لیکن میں نے پہلے پہل یہ لفظ ریاض الاخبار

میں دیکھا۔ جب اس کے مفہوم سے بھی اچھی طرح واقف نہ تھا۔
اگر نقاد گم گشتہ ریاض کی جھلک کبھی کبھی دکھا سکا تو آپ یقین فرمائیں
آپکی ادبی تبلیغ کے لئے پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں! موجودہ لٹریچر
ارتقائی حیثیت سے ریاض سے بے نیاز نہیں ہے ریاض جس طرح نظم
کا مالک ہے آقائے نثر بھی ہے اور یہی امتیازِ خائقہ ہے جسکی بنا پر
وہ انشا پردازی کا مسلم الثبوت "ہیرو" ہے۔
تاریخ آیندہ بتائیگی کہ صفِ اول میں ریاض کو کہاں جگہ ملی۔

کاش آج مہدی مرحوم زندہ ہوتے اور وہ ریاض کے لٹریچر کا یہ پورا ذخیرہ دیکھتے جو ہم نے کچھ ان کے اور ان کے زمانہ کے مختلف اخباروں اور رسالوں سے برسوں میں تلاش کرکے۔ کچھ ان کے قلمی مسودوں سے اخذ کرکے کچھ ان سے انکی زندگی میں انکی زبانی یادداشتوں کو قلمبند کرکے اس طرح ایک جگہ آج فراہم کیا ہے کہ ؎

یوں آج لائے ہم دلِ صد پارہ ڈھونڈ کر
دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا

عنوان ادب العالیہ کے تحت میں پہلا مضمون "حسنِ وضع" ہے جس میں حضرت مرحوم نے اپنی وضع کی تراش وخراش کے جواز میں عجب عجب لطیف نکتہ آفرینیاں کی ہیں اسی سلسلے میں مولوی سبحان اللہ خانصاحب مرحوم عظیم گورکھپوری کی تشریح بھی کچھ کم دلچسپ نہیں وہ فرماتے ہیں۔

منشی ریاض احمد سر سے پاؤں تک اس قدر شوخ تھے متین بننا چاہتے

تھے مگر بن نہیں سکتے تھے۔ میں نے اردو کے پچاس شاعروں کا کلام اول سے آخر تک دیکھا ہے جبمیں ان کا ابتدائی متوسط اور آخری دور سب شامل ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے یہہ ابتدائی کلام ہے اب متانت آرہی ہے اب متانت آگئی — لیکن ریاض کی شوخی کا قدرت کی طرف سے ایسا پختہ رنگ تھا جو کبھی پھیکا نہ پڑا۔ ابتدائی کلام کا ایک شعر سنئے

آڑی ہیکل کو چوم لیگی — وہ چیز جو کچھہ اٹھی اٹھی ہے

اب آخری عمر کا شعر ملاحظہ ہو۔

ریاض اب شکل بھی بدلی مذاقِ طبع بھی بدلا
یہہ سن کا ہے تقاضہ جو خیالِ حور آتا ہے

یہہ بات گو کوئی زیادہ قابل ذکر نہیں مگر انکی طبیعت کی شوخی اور یکرنگی دکھانے کو لکھہ رہا ہوں کہ انہوں نے جب سید احمد خانی دور ہوا تو ترکی ٹوپی جس میں چاندتارا لگا ہوتا پھندنا سنہرا ہوتا زیب سر کی۔ اس سید احمد خانی دور میں ترکی کوٹ جو پیچھے سے کٹا ہوتا اور کمر کے قریب دو بٹن لگے ہوتے رائج تھا حضرت ریاض نے شیروانی میں پیچھے یہی چیز بنوائی آگے بالا بر کھلا ہوا اور بٹن کھلے ہوئے اور دونوں پہلوؤں سے اسی کپڑے کا وہ ٹکڑا ادھر ادھر سے آکر بٹن بند کرتا جس سے معلوم ہوتا کہ شیروانی یا مصنوعی ٹرکش کوٹ کے نیچے واسکٹ پہنے ہوئے ہیں — اس طرح گریباں چاک جھومتے ہوئے ریاض کا چلنا ایسی انوکھی متانی ادا تھی کہ جس کی مثال ان کے مرتے دم

تک ہندوستان بھر میں مجھے کیا کسیکو نظر نہیں آئی

حضرت ریاض کے مذاق اور طبیعت کا مادی بے مثال نمونہ "فتنہ" تھا ہم اس وقت حضرت ریاض کا لٹریچر پیش کر رہے ہیں اس کے بعد اگر موقع ہو تو "فتنہ" کا انتخاب بھی تاریخ ادب اردو میں ایک جدید حسین اضافہ کے طور پر پیش کریں گے۔

احسن وضع

حسن صورت کے ساتھ حسن وضع بھی عجیب چیز ہے یہہ نہیں ہے تو حسن صورت کی بھی مٹی خراب ہے یہہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ حسن آرائش کا محتاج نہیں یہہ نہ ہوتا تو دو دو پہر چوٹیاں نہ گوندھی جاتیں نہ آنکھوں میں سرمہ ہوتا نہ ہونٹوں پر مسی کی دھڑی۔ کاہیکو شاہدان ناز گوندنی کی طرح زیور سے گندھے ہوتے۔

نازک نازک کلائیاں۔ بھرے بھرے بازو۔ گوری گوری ساق سیمین۔ صراحی دار خوبصورت گردن۔ ہاتھہ پاؤں کے مہندی لگے پور پور صاف صاف سینہ۔ بل کھاتی ہوئی کمر۔ چاندسی پیشانی۔ گھونگروالے بال طرح طرح کی آرائشوں اور نازک خوبصورت جڑاؤ زیوروں کے لئے کیا کم تھے کہ نازک کان ناک چھدوانے کی ضرورت پڑی محض اس لئے کہ نمائش کی جتنی چیزیں ہیں آرائش سے نہ بچیں۔ ہزاروں میں ایک آدہ سادہ طبیعت معشوق اس سے شاید بچا ہو مگر ہم تو آنکھ سے بھی دیکھیں تو یقین نہ لائیں۔

گلچہرگانِ فرنگ جو بہت نیچر کی سادہ خوبیوں پر مٹے ہوئے ہیں اور ایسی آرائشوں سے کیقدر الگ ہیں وہ بھی کچھ نہ کچھ انہیں ادا و ناز کے مارے نکلے ناک بچی تو کانوں میں آویزوں کے لئے گنجایش نکالنا پڑی۔ ان سب باتوں سے مستثنیٰ شاید جنگلی معشوق ہوں تو ہوں

موج ہوا سے مارے نزاکت کے ہزار بل کھائیں لیکن اگر زیور سے لاد دیجئے تو اور کلیلیں کرتے پھریں لباس کی پھبن میں کیا کچھ اُٹھ رہا وہ وہ ٹھسے کے بھاری بھر کم جوڑے۔ کلیوں کی سمیٹ کا لنگر سب اسی نازک کمر کے حوالے جسے ہم چھو لیں تو ٹوٹ جائے۔

ان کافر اداؤں کی اس چھب تختی کو اس سج دھج کو ہم کیا کہیں جو واقعی حسین ہیں جب اچھی خاصی چڑیلیں دھیلے کے رنگ کی پڑیا میں دوپٹہ کو ڈوب دے کر ہماری نظروں کو دھوکا دیدیتی ہیں سمجھے آپ کس نے ہمیں دھوکا دیدیا اور کس نے ہماری نظر کو اپنی طرف کھینچ لیا اس کمبخت حسن وضع نے' وہ لوگ جو اس کے مدعی ہیں کہ یہ سب باتیں ضرورت سے زائد ہیں جھک مارتے ہیں نہ حسین ان آرائشوں سے باز رہ سکتے ہیں نہ حسن پرست

ہم نے حسن وضع کو اپنے مضمون میں اس لئے نمایاں کرنا چاہا کہ اس کی گنجایش حسن صورت سے کہیں زیادہ ہے حسن صورت پر اختیار نہیں حسن وضع پر اختیار ہے وہ خدا کی دین ہے جس کے حصہ میں آجائے اور حسن وضع اپنے ہاتھ کی چیز ہے اس میں چوکے اور گئے۔

حسن وضع وہ چیز ہے کہ اچھی صورت والوں کو بھی اس کے بغیر چین نہیں

پھر جو حسن صورت نہیں رکھتے وہ حسن وضع کے کس قدر محتاج ہیں۔ مرد ہو یا عورت ہر ایک کو اس کی ضرورت ہے۔ زیور کی تو مرد میں کھپت نہیں اور اگر کسی قوم میں کچھ ہے تو نہ ہونے کے برابر۔ موتیوں اور جواہرات کا استعمال کچھ لباس سے علیحدہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ مرد ایسی آرائشوں سے جو زیور کی قسم میں واقع ہوئی ہیں علٰحدہ ہیں پھر بھی جہاں گنجائش ملی کوتاہی نہیں کی۔

وضع لباس کی قطع برید اس ضرورت سے ہے کہ صورت بھلی معلوم ہو اور شان پیدا ہو یہ نہیں ہے تو آدمی ہی نہیں — ہم نے اس مجمل تعریف میں بہت سے پہلو لئے ہیں لقوں کی وضع اس میں چھٹ گئی اور مہذب لباس اس میں آگیا۔

کیا آپ کو ہماری زیارت سے کبھی شرف حاصل ہوا ہے۔ نہیں ہوا تو بھی آپ نے ہمارا مشہور شعر سنا ہی ہوگا۔

دنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاض پر
کس وضع کا جوان ہے کس آن بان کا

اس میں حسنِ صورت کو دخل نہیں کچھ ہے تو حسن وضع کو — ہمارے لئے حسن وضع کی ضرورت حسینوں کو بھانے کی غرض سے ہے کبھی حسینوں کے جھرمٹ میں ہم کو دیکھئے ہماری وضع کو دیکھئے وہ چست اچکن بدن سے پھنسی ہوئی کہ حسینوں کے جھوٹے کپڑے مات۔ خوشنما دھرے بٹن اس کثرت سے کہ موتیوں کی لڑی کے سوا نادیہ بیل کے کوڑیوں کی پھبتی ہو ہی نہیں سکتی۔

دنیا میں ڈھونڈھ آئے انگلش لیڈیوں کا جوڑ ہمارے سوا نظر ہی نہ آئیگا۔ کجکلاہی ہیں وہ نوک پن کہ بڑے بڑے غرور والے حسینوں کے دل میں چبھے ہوئے، کلاہِ کج میں لیس کی تحریر پر سنہرے سلمے کے حرف اس طرح نمایاں کہ بے اختیار کہہ اٹھے۔

بر لوح جبیں زہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

پھر تعارف کے لئے سائن بورڈ کا لطف گھاتے ہیں۔ دور سے نظر آتے ہی ہزاروں ہیں لاکھوں میں پہچان لئے گئے کہ خود بدولت ہیں۔ جن کی نگاہوں کے ہم مشتاق ہیں ان کی نظر ہمارے سوا دوسرے پر پڑتی ہی نہیں حسینوں کے چھکے اڑانے کیلئے وہ برابر کا جواب کہ کہروا ناچتے ہوئے آپ کی ٹرکی ٹوپی تو اس قابل ہی نہیں مگر ہاں کیسی جگمگاتی ہوئی نوایجاد اگر وہ سر پر رکھیں تو بھی ہم سے گرہی کر رہیں اور رہیں یہی کہنے کو ہو

ریاض اچھی نہیں صورت تو کچھ پروا نہیں اسکی
ہماری وضع میں کیا ان سے کم کا فرادائی ہے

آپ اگر اس مقطع کا جواب کہیں تو ہم آپ کے لئے "بھائی" کا قافیہ محفوظ رکھتے ہیں۔ پوچھئے یہہ وضع کیوں اور ریش مبارک کا صفایا کس لئے؟ محض حسنِ وضع کے واسطے۔ یہہ تو مبالغہ ہے کہ خط بنانیوالا تقدیر کا لکھا مٹاتا ہے مگر واقعی یہہ ہے کہ اس کے ہاتھہ کی نازک کھونٹیاں حسینوں کی ناک کے لئے نازک کیل سے بڑھکر ہیں یہہ نہ سمجھیگا سپید بالوں کی رعایت سے چاندی کی کیل سمجھکر حسین پھینکد ینگے نہیں نہیں اپنی جوان طبیعت کے صدقے میں

گئے ہوئے شباب کو ہم نے رہن کر رکھا ہے

اتنی طوالت باتوں میں اس لئے ہے کہ ہمارے دوست جو ہماری وضع اور کجکلاہی پر حرف رکھتے ہیں اپنا اعتراض واپس لے لیں.

امید ہے ہمارے سائل دوست ہماری وضع پر اب زیادہ سوالات نہ کرینگے ۰

ریاض اُچھلے نہ کیوں دستارِ واعظ
لگی لپٹی کبھی رکھتے نہیں رند

۲- سالِ نو

نیا سال ہے رنگ بدلے ہوئے ہیں
زمانہ کے سب ڈھنگ بدلے ہوئے ہیں

کرشمہ سنجیٔ شاہدِ روزگار کے صدقے جب دیکھیے اس کی جلوہ گری ایک نئے انداز سے ہے. بڑے بڑے خوبانِ فریب کار سے سابقہ رہا اچھے اچھے شوخ مزاج ہمیشہ دل و جگر میں لپٹے رہے مگر کسیکو اس کا فرادا سے نسبت نہیں. یہہ شاہد روزگار بھی عجب خودکار سراپا ناز ہے دیکھیے تو کتنے لوگوں کے بس میں ہے اور پھر کسیکے قابو میں نہیں. ایک زمانہ سمجھا کہ ہمارا ہو رہا اور اسی پر اور بھی وارفتگی بڑھی پھر تو وہ وہ ناز ہوئے کہ نقشِ قدم پر جبیں سائی سلاطین کیواں مرتبت کی آرزو کی. چشم پرغرور میں برقِ طور کی وقعت سرمہ کی سلائی سے کم رہی. نگاہوں میں آتشِ ایمن کی تجلیاں گردِ دامن سے کثیف ٹھریں. جس کی جلوہ گری ہزار حجابوں پر رنگِ بہارِ عالمِ امکاں. جس کی شانِ خودنمائی

لاکھ دوری پر کم ہیں نگاہوں سے چھپک رہی ہے۔ لوح وقلم کا اپنی انگلیوں کی جنبش سے لگاؤ سمجھا گیا۔ کارکنانِ قدرت اپنے بس کے خیال کئے گئے۔

یہہ اور ایسے ایسے ہزار خیال لاکھ لاکھ رنگ سے کس کس کے دماغ میں جاگزیں نہ ہوئے۔ نخوت نے مزاج نازپر کیا کیا قابو نہ پایا۔ کبر وغرور نے اپنا اثر کیا کیا نہ جمایا مگر خود کار شاہدِ روزگار کس کا ہوا۔ آغوش میں رہا مگر کسی کے ہاتھ نہ آیا ہزار آشنا ہونے پر بھی ناآشنا ہی رہا۔ فریب انداز سے یہ سمجھکر کہ اب یہہ ہمارا ہو رہا ہم اس کے ہو رہے مگر جب اثرِ وفا پر نگاہ کی تو اس کی بیگانگیاں نظروں میں سمائیں۔

اب کچھ نہیں ہے تو دل ہے اور اس کی ہم آغوشیوں کا خیال حسرت ہے اور اسکی پہلی ہمکناریوں کی یاد جن لوگوں کو اس سے چند روزہ لگاؤ رہا کیا کیا محو وفا کاری نہ ہوئے کوئی دولت واقبال پر بھولا کسی نے حسن وجمال پر نگاہ کی اور کسی نے بزم آرائیوں کی ٹھہرائی جوشِ مئے ناب ہوا رنگ رنگ کے ساغر چھلکے مگر اس کی شامِ وصال کی پھولی ہوئی شفق اس رنگ کی ایک موج تھی جو گلزارِ رنگین طبع کے تلون سے اٹھی۔ اس کے روز وشب۔ شام وسحر جس تیزی سے رنگ بدلتے ہیں ظاہر ہے مگر تمیز نہیں ہوتی۔ اس کے اندازِ ستم نے وہ خانماں بربادیاں کیں کہ کسی کام کا نہ رکھا مگر افری فریبندہ ادائیں کہ پھر تمنا ہے تو وہی اور آرزو ہے تو وہی۔

دل سے لگی ہوئی ہے کہ کس طرح بس میں آئے بہت کم ہیں جو اس خیال سے الگ ہوں بلکہ یوں کہئیے کہ زمانہ کو یہی ہوس ہے اور کیوں نہ ہو امید افزائیاں

اس کے ساتھ ہیں

(۲)

تھا حسنِ اتفاق کہ پیہم شرر اٹھے
وہ خوش ہوئے کہ شمع کو ہم نے ہنسا دیا

پیرِ فرتوتِ روزگار اس خیال سے اگر کافر ادا حسینوں میں ملنا چاہتا ہے کہ جس طرح دلدادگانِ عشوہ و ناز انکی بھولی باتوں پر مٹے ہوئے ہیں زمانہ نیرنگ باز کی آنکھیں دیکھنے والے صبح و شام اپنی آنکھ میں بھی اس کو انہیں کی طرح جگہ دیں تو یہہ ان سے شوق سے ملے مگر ہم ایسے نہیں ہیں کہ ان کی بھولی باتوں کی طرح اس کے اثر کو قبول کر سکیں۔

وہ شمع کے ہنسانے پر خوش ہوں اور شمع کیطرح رونے والے انکے خوش ہونے پر مگر یہہ فریبِ ادا کے سوا کچھہ نہیں۔ آج زمانہ نے ہم کو نئی صبح دکھائی تو کیا ہم لبِ گل کی طرح تبسم آشنا ہوگئے۔ اگر بھولے پن کے ساتھ خوش ہونے میں اس نے کسی کافر ادا کے انداز اڑائے ہیں تو اڑایا کرے ہم تو اس نئی صبح کی۔ صبح مسرت ہونے پر بھی قدر نہ کرینگے۔

کوئی شک نہیں ہم ایک عمر تک کبھی اپنے نشیمن سے کبھی شاخ گل سے پر تول تول کر اٹھا کئے کہ اس دام سے قریب ہوں جس کے پھندے قفس کی کھڑکی سے دور نہیں۔ پروانہ ضرور ہمارے لئے دامِ فریب جما دیتا مگر اسیرانِ قفس کے دل کے سوا ظاہر میں پر و بال پر جو کچھہ گذری اس نے حلقہ ہائے دام سے تو کیا نشیمن سے بھی بھڑک پیدا کر دی اور آج تک یاد ایام پر اپنی

ہی فغاں اپنے دل کے ٹکڑے اڑا رہی ہے — وہ دن گئے کہ بے اختیار کہہ اٹھتے تھے۔

فکرِ صیاد پریشاں نہیں دیکھی جاتی
آپ تدبیر بتاتا ہوں گرفتاری کی

زمانہ نے کس دن نئی صبح نہیں دکھائی کہ آج ہم اس کو صبحِ مسرت سمجھ کر خوش ہوں اور ایک دیرینہ مشاق کو موقع دیں کہ یہہ اپنے فریب پر خود کو قایل مبارک باد سمجھے۔

ہماری آنکھوں میں سپیدی اگر آج کی صبح کے اثر کو لئے ہوئے ہے تو سیاہی بھی ہے جو کل کی شام کا نشان دے رہی ہے — کل کی شام ہمارے ایک بڑے حصۂ عمر کا انجام تھی جو ابھی ہماری نظروں سے اوجھل تو کیا آج کی صبح کی طرح ہماری آنکھوں میں ہے — یہہ صبح ہمارے ایک بڑے حصۂ عمر کا آغاز ہے جسکے انجام تو کیا آغاز ہی کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکے ہیں اب خدا جانے اس کے آگے کیا ہو وہ صبح جس کی شام ہو گئی ہے مانا کہ رو پیٹ کر ہی سہی کس قدر تسکین بخش ہے کہ جو کچھ ہونا تھا ہو لیا اچھی طرح گذر گئی تو اس کی یاد کس قدر عزیز دل ہے بری طرح گذری تو خوش ہیں کہ بسر ہو گئی۔

بڑے خوف کی چیز اعمالِ بد تھے کہ یہاں کی تفضیح کے سوا اس بھری محفل میں رسوائی کا سبب نہ ہوں جس میں ہر ایک کو بزم نشیں ہوتا ہے — تو اس کیلئے "توبہ" نے کس آسانی سے موقع دیا ہے کہ جی بھر کے حسرتیں نکال چکے بری باتوں پر اب پشیمانی سے کیا بگڑا جاتا ہے۔

لاؤ توبہ نہ کروں اور پشیماں ہو لوں

شام ہونے نے بگڑی ہوئی حالت کے بنانے کا کیا اچھا موقع دیا ہے کہ دامنِ تر بے نچوڑے ہوئے زاہدانِ خشک کے جبّہ کا پیوند ہو سکتا ہے۔ مبارک ہے وہ وقت جو گذر گیا مبارک ہے وہ روز جس کی شام ہو گئی ایسی مبارک شام سے ہم ایسی صبح کو کیا نسبت دیں کہ جس کی شام ہونے تک خدا جانے ہم پر کیا گذرے کتنے ایسے ہیں کہ جن کو اس کی شام ہی دیکھنا نصیب نہ ہو گی۔ کس قدر الجھن کی بات ہے کہ آگے جو کچھ ہے پردے میں ہے اور اس میں بھی اپنی طبعیت اور زمانہ کی چال ڈھال سے امید کا زیادہ زور برائیوں کی طرف ہے۔ ہم کو اس صبح کی مسرت کا کچھ موقع مل سکتا ہے تو شام ہونے پر اس وقت کہہ سکتے ہیں کہ ہم کیسے رہے۔ اس صبح میں کچھ ہے تو اسی قدر کہ نئے سال کی پہلی صبح ہے گو صفحۂ عمر کے اس مرقع میں جو طاقِ نسیاں پر ہے کتنی ایسی ہی صورتیں نظر آئینگی لیکن یہہ ایک چلتی پھرتی صورت ہے۔
ہم نے ایک نئی حالت دکھا کر غمزدوں کے ہنسانے کا سامان کیا مگر کتنے ایسے ہیں جن کو تمیز نہیں ہوئی ہوگی کہ کل سے آج میں کیا فرق ہوا اپنے دھندوں میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ صبح و شام کی خبر نہیں رکھتے۔

۳۔ توبہ کے گھر میں روز رہی میہماں شراب

ہم سے زیادہ لغزش اس کو
ہم سے سوا متوالی توبہ۔

ہمیں گلہ ہے تو زمانہ کی موجودہ حالت کا اور رونا ہے تو اس کی ترقیوں کا جس نے ہمارے بہکنے کے لئے وہ وہ اسباب پیدا کر دئے ہیں کہ توبہ شکستِ توبہ کے برابر ہے

مسجد کے گنبد سے نکلکر ہم فصیل پر اس لئے آ بیٹھتے ہیں کہ بازار کی چہل پہل اور کافرادائوں کے جلوے دیکھیں گو مسجد کے گنبد میں بھی خیالات و وساوس سے چھٹکارا نہ تھا مگر پھر بھی یادِ خدا کا نام تھا۔

اور کچھ نہیں تو غارت گر آنکھوں کو بدنصیب دل سے رسم و راہ تھی ہر چند بہکانیوالوں کی جھلک فریبندہ چہرے گھونگھٹ سے ناآشنا عجب ناز سے دکھلا رہے تھے مگر اس کا بارِ دوش تصور و خیال پر تھا اب ایک بال سے باریک نگاہ نے زمانہ کے طلسمی کرشمہ کو دردیدۂ دل پر لا ڈالا ہے وہ کیفیت ہے۔

داماںِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

وہاں تصورات کو دلِ معصیت کار نے جگہ دی تھی کوئی آنکھ کھول کر دیکھتا بھی تو دلِ حجاب نشیں کے معاملات کو کیا سمجھتا اور آنکھوں کو تو واقعی کوئی واسطہ ہی نہ تھا — یہاں بھی وہی دل ہے اور وہی حجاب مگر ان آنکھوں کے صدقے میں اس کی بھی رسوائیاں ہو رہی ہیں ہر چند کہ رسوائی کا مستحق بھی ہے۔

کروں پر اگر کوئی رنگین لباس ہے تو رہ رہ کر پتلی کی گردش کس کے تعلق سے ہے

کوئی پردہ نشین فنس پر گذرا کہ نگاہ کی شوخیوں نے پردہ الٹنے کے لئے گستاخ کاریاں دکھائیں۔ رتھ کے گھونگروں کی آواز کان میں آئی کہ نگاہیں وہیں تھیں ۔اب وہ کہنے والے کیا ہوئے جو تصور میں بے اختیار چیخ اٹھتے تھے

جو دل دکھا رہا ہے مزہ ہر گھڑی مجھے
آنکھوں سے سو برس بھی دکھایا نہ جائیگا

گو ہم خود کو بہت سنبھالے ہوئے ہیں اور دزدیدہ نگاہی سے کام لے رہے ہیں مگر تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے ۔

آپ سمجھے یہہ فصیلوں پر جو جبہ اور عمامہ والے جمع ہیں یہہ کیوں۔ صرف اس لئے کہ کسی کرشمہ سنج کا فرادا سے آنکھ جھپک جائے کمپنی باغ کی طرف سبحہ گرداں جاتے ہم نے انہیں دیکھا ہے ٹھنڈی سڑک پر ٹہلتے ہوئے یہہ ملے ہیں بازار میں سنور کر نکلنے والوں کے پاس یہہ پہنچیں بتانِ فرنگ کی کافرادائی پر یہہ بیتاب جس کسی سے یہہ لمبی ڈاڑھی والے بے تکلف ہو گئے ہوں اس سے ان کے حالات پوچھئے۔ گو ان کا پتہ مشکل سے چلتا ہے مگر جب کھلتے ہیں تو طبیعت داریاں دیکھئے جو ان کو سوجھتی ہے وہ رندانِ بادہ پرست کو کہاں نصیب جو ان سے بن پڑتی ہے وہ ہم سے ممکن نہیں جو مزے یہہ نگاہوں میں لوٹ لئے جاتے ہیں وہ دوسرے کو وصل میں بھی میسر نہیں۔ خدا ان پارسا وضعوں اور زاہد صورتوں سے بچائے ان کی کارگزاریاں کاتب اعمال سے پوچھئے اگلے زمانہ کے لوگوں کی تو ہمیں خبر نہیں مشہور تو یہی ہے کہ گذرا ہوا زمانہ اچھا تھا یہہ بھی اچھے رہے مگر اب وہ بات کہاں اگر کچھہ ہو بھی تو بہت

کم جن کا ہم کو یقین نہیں کیونکہ کہنے والا کہہ چکا ہے ؎

یہہ اہلِ صومعہ چھپ چھپ کے کیا نہیں کرتے

ہمارے نزدیک یہہ وقت بھی گذر گیا ہے حسن تو وہی ہے جو پہلے تھا مگر اسباب آرائش و نمائش تو کچھہ اس زمانہ کے لئے حصہ ہو رہے ہیں۔ نکیلی وضع چلبلی اداؤں نے اس ضرورت کو بھی اٹھا دیا کہ چہرہ سے نقاب اٹھے تو خود داریوں کی آزمائش ہو۔ پیارے پیارے خوش وضع دستانے نازک نازک ہاتھوں سے جدا ہوں تو رنگِ حنا کی شوخیاں چٹکیاں لیں اور ہم بیچین ہوں کسی رنگین لباس کی جھلک دور سے دیکھی کہ ہم چلے ——

ہماری بربادیوں کا سبب زمانہ کی ترقیاں نہیں تو اور کیا ہیں وہ اثر ڈال رکھا ہے کہ رند ہوں یا شیخ و زاہد پیر مغاں سے بیعت ہو یا پیر طریقت سے مگر جب دیکھئے تو سب ایک ہی مرشد کا پیالہ پئے نظر آتے ہیں۔

زمانہ نے مختلف ترقیوں کے ساتھ جو اسباب نمائش و آرائشِ حسن میں ترقی کی ہے اس کی کھپت ان کے خدا سے لو لگانے والے دل میں ہے ہم رندانِ رسوا میں اور ان میں اعتبار وضع سے فرق اسیقدر رہے کہ ان کو دزدیدہ نگاہی کی ضرورت ہے — جب زمانہ نے یہہ اثر ان پر ڈال رکھا ہے تو ہمارا کیا گلہ۔ سامانِ عیش میں جو ترقیاں ہوئیں اور ہوتی جارہی ہیں کیا ہم پر اتنا بھی اثر نہ ڈالینگی کہ ہم توبہ شکن کہلائیں۔

توبہ سے رقصِ دورِ جام کی قدر پوچھئے ٹوٹنے میں بھی یہہ زاہد کے وضو سے کم نہ رہی — دور ساغر گلگوں نے بڑے بڑوں کی توبہ کو ناچ نچا دیا ہے

سچ پوچھئے تو یہ بھی بہت ہے کہ ہم توبہ کرکے پیتے ہیں اور پی کے توبہ کرتے ہیں۔

اچھے ہم ہیں اچھی توبہ پیتے دیر نہ توبہ کرتے

لوگوں کو ہم نے کہتے سنا ہے کہ شاہد پرستیاں اور عیش رانیاں کچھ اس طرح سے بے تکلف ہونے لگی ہیں کہ برا کام عیب میں داخل نہ رہا مئے آتش رنگ کی بوتل سے بھی کاگ اس طرح اڑنے لگے جیسے زاہد کے حواس۔ یہ بھی رنگِ زمانہ کا نکھار ہے

اب اگر ہم سا پاک دل پاک وضع بھی اگلے سال تک پینے لگے تو عجب نہیں ۔ یہ شاہدان ناز کی طرح ڈھلی ہوئی گلابیاں برق جمالوں کی طرح چمکیلے گلاس شباب میں ڈوبے ہوئے معشوقوں کی رنگت سے سوا نکھری ہوئی مئے گلرنگِ فرنگ پھر کوڑیوں کے مول یوں رواج پائے تو کیا ہو۔ ہمیں زمانہ کی ترقیوں کا گلہ ہے تو اتنا ہی۔ وہ وقت ہے کہ کچھ پاس نہ ہو تو بھی دادِ عیش دیجائے، نہ یہ سامانِ عشرت ہوتے نہ ہم بہکتے۔

پھول سا جام اور وہ کفِ ناز
موج سے بول اٹھی کہ عمر دراز

اسی کا اثر ہے کہ ہم بے ساختہ کہہ اٹھے ہیں۔

ہم سے سوا متوالی توبہ ہم سے زیادہ لغزش اسکو

راقم

ریاض ہائے رے تیرا وہ خواب کا انداز
سبو تو سر کے تلے دستِ شوق ساغر پر

۴۔ سبزہ طاؤس ہو گیا

طاؤس ان اودی اودی گھٹاؤں اور کالے کالے بادلوں لاجوردی لکّہ ہائے ابر اور بجلی کی ہلکی سی چمک کو دیکھکر ناچنے کیوں لگتے ہیں۔

رقصِ طاؤس کا تماشہ مردمِ دیدہ بھی دیکھکر حیران و پریشان رہ جاتے ہیں۔ قدرت نے کیا وجدانی کیفیت اس طائر کو عطا فرمائی ہے اس کی دلکش آواز کی نسبت ہندی شاعری میں موثر جذبات اور کیفیات موجود ہیں ہندوستان میں اس کی ادائیں سبزہ زاروں اور جنگلوں اور باغوں میں نہایت دلفریب دیکھی جاتی ہیں۔

بادلوں کے لکّے اور اس کے مختلف رنگوں کا عکس سبزہ زار ہی کو نہیں طاؤس کی رعنائی کو بھی بہت بڑھا دیتا ہے —— دھانی۔ گلابی۔ آسمانی۔ زرد دوپٹے جس طرح حُسن کو چار چاند لگا دیتے ہیں اسیطرح اودی گھٹائیں لاجوردی لکّہ ہائے ابر طاؤسوں کے پروں پہ مینا کاری کرتے ہیں

سبزہ زار کی کیفیت کیا کہئے اس کو سبزۂ خفتہ کہنا حماقت ہے اس کی بیداری میں کس کو شک ہے جو سر اٹھائے موسمِ بہار کا لطف لے رہا ہے۔

گلگشتِ چمن کرنے والے حسین اور شاخِ گل پر آشیانہ باندھنے والے طائر آج کل سبزہ زار کی بہار پہ مٹے ہوئے ہیں یہ آنکھوں میں کھبا جاتا ہے نظروں میں سمایا جاتا ہے آنکھیں اس کے نظارہ سے روشن ہو رہی ہیں کھلے ہوئے پھولوں پر اداسی برس رہی ہے مگر سبزہ لہلہا رہا ہے۔ اور اس کی مجموعی

حالت عجیب و غریب ہو گئی ہے۔ سبزہ طاوس نما تصویر بن گیا ہے ابر کے عکس اور بجلی کی چمک نے طاؤسی پر بنا دئے ہیں اور ہوا کی جنبش نے اڑ چلنے پر تیار کر دیا ہے۔

موجِ ہوا میں گرہ لگانے والے حسینانِ جہاں اس وقت سبزہ زار میں تماشہ بن گئے ہیں اور سبزہ کا طاؤس ان کی خوش فعلیاں دیکھکر جھوم رہا ہے جس کے سامنے طاوسِ مینا بھی گردن جھکائے دم بخود ہے۔

(۵)

آئی بہار ساقیا جامِ شراب دے پلا
پھول کھلے پھلے شجر ابر اٹھا ہوا چلی

ابر بہار کا جھومتے ہوئے آنا ایسا نہیں کہ رندانِ سیہ مست اپنی جگہ پر رہ سکیں وہ ادھر سے اٹھا تو یہ ادھر سے — طاوسِ چمن کے ساتھ طاوس مینا نے بھی مستیاں شروع کیں پر طاؤس کے داغ بوتل کا کاگ بنکر جلنے کو ابھر لگے قلقلِ مینا نے طاوسِ چمن سے آواز ملائی توبہ کے تڑاقے نے گنبدِ گردوں میں گونج کر بادل کے گرج کا لطف پیدا کیا۔

زاہد صد سالہ کے لیے بھی آغاز شباب کا زمانہ آیا مئے ناب کی طرح جوشیلا خون خود بخود رگ و پے میں دوڑنے لگا ہت کچھ سنبھلنے پر بھی کہتے بن پڑا۔

توبہ ٹوٹے کہ بچے دیکھیے کیا ہو انجام
ابر اٹھا جانبِ کوہسار خدا خیر کرے

عروسِ بہار کے آسمانی دوپٹہ کا آنچل ہوا میں اڑتا ہوا اس پر سنہرے لچکے کا جوبن۔ ہزار ارمان کہ آنچل کھینچیے مگر دسترس نہیں۔ سرو بلند اسی آرزو میں دست

شوق بنا مگر نہ پہنچا۔ مسجدوں کے ممبروں سے کبوتر بام حرم بنکر لاکھ کوئی اٹھے اس بہارِ ناز تک رسائی کہاں۔ کالی گھٹاؤں میں چھپے ہوئے اٹکھیلیاں کرنے والوں سے گلے ملنا کچھہ وہی خوب جانتے ہیں جن کے پاؤں کی لغزش دوشِ خم پرپر پرواز کا لطف دیجاتی ہے۔

یوں تو آنچل کے لپکے کی جھلک دیکھے ہوئے طور تک پہنچے لیکن کچھہ دیکھنا چاہا تو آنکھیں پتھرا گئیں یہہ ہمیں رندانِ مے آشام ہیں کہ ایک ہی جرعہ میں نیرنگِ روزگار کے تماشے لوٹتے ہیں۔ مے کہن کی بدولت چڑھی ہوئی آنکھوں سے وہ کچھہ دیکھتے ہیں کہ زاہد کی ہزار سالہ عبادت نظروں سے اتری ہوئی ہے اور اس موسم میں تو نظر نے وہ اثر پیدا کیا ہے جس طرف اٹھی آتش بھڑکتی نظر پڑی ہے

بہارِ لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں
گریباں پھاڑ کر چل بیٹھے صحرا کے دامن میں

ہم مے پرست جو لطف اٹھانا جانتے ہیں اوروں کو کہاں نصیب جس کے نصیب میں یہہ سامانِ بہار ہو وہی جانے۔

گردنِ شیشہ جھکا دے میرے پیمانے پہ
ہم برستا رہے ساقی ترے میخانے پر

۶۔ اے کلی

ہم خوش تھے کہ کھلے ہوئے پھول ہوں یا لب بستہ کلیاں گلچیں کے دامن سے اچھی جگہ ان کو نہیں مل سکتی زیادہ سے زیادہ انکی گنجائش حسینوں کے

دامن میں نکل سکتی ہے مگر یہہ اس وقت کہ جب دامن میں کسی کا دل نہ ہو۔ دل نے حسینوں کے دامن کو اپنا بنا رکھا ہے وہ خاک ہو کر بھی دامن سے جدا ہونا نہیں چاہتا ہے

جہاں دل تھا وہیں ہے تربتِ دل
شکن سی ان کے دامن میں پڑی ہے

مٹ جانے پر بھی قیامت تک وہ دامن سے جدا ہونیکا نہیں۔ آج تربت کے لئے جگہ لی ہے کل چاہیگا حشر بھی یہیں ہو اور یہہ ہونا ہی ہے۔

حسینوں کا دامن تو یوں گذرا ہوا اب کچھہ جگہ غنچہ و گل کی رہ گئی ہے تو کسی بیکس و ناشاد کی تربت پر۔ یہہ وہ بری جگہ ہے کہ چمن کے ٹوٹے ہوئے پھول تو کیا ہر وقت نخلِ گل اگیں بڑھیں اور لگاتار پھولوں کی بارش قائم رکھیں تو بھی نہ اس حسرت خیز جگہ کی اداسی جا سکتی ہے نہ ہوا سے جنبش کرتے بکھرے ہوئے پھول اس کو خوشنما بنا سکتے ہیں اس جگہ کا انتخاب ہی غلط ہے زیادہ سے زیادہ تربت پر شمع کا گل کچھہ ان پھولوں کی قائم مقامی کر سکتا ہے وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے۔

جھونکا نہ کوئی آئے نسیم بہار کا
نازک بہت ہے پھول چراغ مزار کا

ظاہر میں تو پھولوں کو جگہ دینے کے لئے دنیا تنگ معلوم ہوتی ہے یا دوں

سے روندنے کے لئے جہاں چاہے بچھا دیجئے مگر یہہ قدر افزائی ہوئی کہ پامالی۔ لطف تو جب ہے کہ ان کے لئے جگہ ہو تو ایسی جیسے جام کیلئے حسین ساقی کی گلرنگ ہتیلی! اس سے بڑھکر انھوں نے جگہ خود انتخاب کرلی ہے انھوں نے نازنین حسینوں کو اپنا بنا لیا۔ نازک خوشرنگ پھول سے رخساروں کو ان سے ملا دیجئے رشک کے قابل بات یہہ ہے کہ دستِ شوق سی پیاری چیز ان کے آگے حسینوں کی نظر سے گر کر بے قدر ہوگئی اسی بے قراری کی بد دعا نے ان کو کنوئیں جھکائے ان کو ٹوٹی پھوٹی تربتوں پر جگہ ملی

رشک تو یہی کہتا ہے کہ اس سے بھی بدتر ان کو جگہ ملے رات دن یہہ پامال ہوں ——— مگر پیاری پیاری نازک صورت دستِ شوق سے بھی رعایت کی خواستگار ہے اور وہ ہر چند اس رشک سے موجِ شرربنا ہوا ہے مگر روا رکھتا ہے کہ میرے عوض تمھیں حسینوں کے سینہ پر جگہ لو اور کس طرح کہ نگاہ شوخ تڑپے لوٹے تلملائے مگر حسن نے جو رکاؤ پھولوں سے اور پھولوں نے حسن سے پیدا کر لیا ہے وہ قیامت تک پیشِ نظر رہے

ترا بھرا ہوا جوبن یہہ ان کو گدگداتا ہے
کہ ٹوٹے جاتے ہیں مارے ہنسی کے پھول ہار ونمیں

اس سے زیادہ جلانے والا اسد گانے والا مرقع ملاحظہ ہو یہاں تو چھیڑ چھاڑ ہی کا منظر تھا کمبخت ننھے ننھے پھولوں نے دست درازی کی ٹہرادی

درازدستیِ ایں کوتہ آستیناں بیں

غضب ہی ڈھایا وصال کی ٹھہرادی اور بہت ہی بری طرح —

اترا ہوا گلے کا ترے ہار کیا ہوا
سینے پہ چڑھ کے جس نے کیا پیار کیا ہوا

آپ نے دیکھا کمبخت پھولوں کو کہاں جگہ ملی کس طرح ملی اور سنئے "نقاد" نے بہ عنوان "رشحاتِ ریاض" ایک شعر شایع کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوتے ہیں کسی کافر نے بڑا دھوکا کھایا یا واقعی تھی ہی کوئی بات کسی نہ کسی طرح بر بنا بر توجیہہ اپنے سر سے الزام دور کیا جاتا ہے۔

سینے تک آئے سوتے میں کب میرے دستِ شوق
دھوکا دیا تجھے تیرے پھولوں کے ہار نے

۷۔ قطبین کی زندگی

جن کے لئے پورا حشر کا دن کافی نہ ہو وہ آرزو کریں اتنی چھوٹی سی رات کی

ملجائے تو وصل کو بہت ہے
چھوٹی سی رات دوپہر کی

سچ پوچھیے تو یہہ دوپہر کی رات بھی بہت ہے۔ کمبخت ملتی کہاں ہے شبِ وصل کی مختصر تعریف یہہ ہے کہ ہمیشہ شام سے پہلے صبح اور اگر روزِ وصل

ہو تو صبح سے پہلے شام!

ان دونوں کے بڑھنے کی کوئی صورت نہیں اور اگر ہے تو صرف صوم و تراویح کی پابندی ــ لیکن اس طرح یہہ سوداگراں اس قدر ہے کہ کوئی لے نہیں سکتا

کاش مشتاقان وصل کو قطبین کا ایک دن ایک رات ایک صبح ایک شام ملجاتی - جی بھر کر عسرت نکالنے کی آزادی ہوتی یہہ ہوتے اور انکا گوشہ خلوت

خم مئے کے الگ بیٹھ رہا ہوں سب سے

ایک گوشہ میں جہاں آئے نہ جائے کوئی

یہہ بھی تجربہ ہو جاتا کہ وصل کے نام سے وہاں کے دن رات کچھ گھٹتے بھی ہیں یا نہیں ــ جو لوگ معشوقوں سے روز شمار کے وعدے لئے بیٹھے ہیں انہیں قطبین میں موقع دیکر ان سے یہہ پوچھنا چاہیئے کہ کہیئے وقت آنکھوں میں گذر رہا ہے یا زمانہ کی گردش پتھرائی ہوئی آنکھ کی پتلی بنکر ٹھری ہوئی ہے کوئی صاحب فرماتے ہیں ــ

وہ بھی نازک اور نازک وقت بھی

کیا ہو صبح وصل دیکھا چاہیئے

فرصت عمر کے مقابل غالب نے برق کو پابہ حنا کہا آپ اگر رنگ شفق سے صبح کو پا بہ حنا بنانا چاہتے ہیں تو کامیابی کی امید ہو سکتی ہے مگر کہاں - قطبین میں!

وہاں کی پیاری صبح - سہانی صبح - نازک صبح صرف ۱۸۲ دن کی ہوتی ہے -

طلوع آفتاب کی تاریخ ۱۶ مارچ، ۲۹ جنوری سے آفتاب کی روشنی کا آغاز ہوتا ہے غروب کی تاریخ ۲۹ ستمبر - ۴۸ دن کی شام پھر ۱۳ نومبر سے رات ۷۶ دن تک - ۹۴ روز تک افق پر آفتاب۔

۸- سونے کی چڑیا

یہہ عجیب بات ہے کہ ہم نے اردو زبان کے ایک محاورہ کا استعمال کیا اور شاہدانِ ناز کی ٹکڑی میں چیمیگوئیاں ہونے لگیں۔ نہ ان کا ذکر نہ ان کا مذکور نہ ان سے واسطہ نہ ہماری وضع قطع کا یہہ اقتضا کہ یہہ ناز آفریں ایسا حسن ظن صرف کریں

ان کو کون سمجھائے تمہارا ذکر نہیں ہے تم کو سونے کی چڑیا کہنا تمہاری توہین کرنا ہے۔ تم تو پارس کا پتھر ہو اکسیر کی بوٹی ہو کیمیا کا نسخہ ہو درشنی ہنڈی ہو کرنسی نوٹ ہو منی آرڈر ہو۔ سونے کی چڑیا کی یہہ قدر و قیمت کہاں جو تمہاری ایک ادا ایک انداز کی ہے۔ تم گالیاں دو تو منہ سے پھول جھڑیں اور آسمان سے ہن برسے تم تیور بدل لو تو دنیا کا صفایا ہو جائے چاروں طرف سے لینا لینا کی آوازیں آنے لگیں

تم کو مرغ زرین صرف اس استعارہ سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ رات دن سونے چاندی مقیش بادلے گوئے پٹھے زری زردوزی کو تم نے اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے مگر پھر بھی مرغ زرین تم سے اونچا نہیں اڑ سکتا تمہاری اڑان تمہاری نظر کو عنقا بھی نہیں پا سکتا وہ مشتِ پر تمہارے مقابلہ میں

طائرِ زخم خوردہ ہے — ہاں اس اعتبار سے کہ تم خواب راحت یا خواب ناز کی مثال ہو تم کو لوگ سونے کی چڑیا کہہ سکتے ہیں تو اس میں ان کا کچھ قصور نہیں۔ خواب راحت سے لطف اٹھانے والے ضرور خطاوار ہیں مگر واقعات بیان کرنے والے قابلِ ستائش ہیں جو تمہاری ہر بات ہر ادا کو قابلِ تحسین بتاتے ہیں۔

واقعی یہ بہت ہی پیارا محاورہ ہے اور اس کا تعلق کسی خاص گروہ یا فرقہ سے نہیں ہے مگر محلِ استعمال ضرور لطف دئے جاتا ہے — اس محاورہ میں ایک خاص لطف یہ بھی ہے کہ اگر ان حسن فروشوں کو مرغِ زریں کوئی کہدے تو ہزاروں صلواتیں سنے مگر سونے کی چڑیا کہنے سے صرف اتنا ہی برا مانتے ہیں کہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا کر کروٹ بدل لیتے ہیں۔

یہ فیصلہ آسان ہے کہ مرغِ زریں سے سونے کی چڑیا ہر طرح اچھی ہے۔

۹ ”مضمونچہ“

معشوقوں کی گرم بازاریاں ٹھنڈی ہوگئیں۔ زاہدوں کے وضو ٹھنڈے ہوگئے۔ تعزیے ٹھنڈے ہوگئے۔ شہر کی لالٹینیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ کوٹھیوں میں آتش خانے ٹھنڈے ہوگئے البتہ بعض ملازمین سرکاری کے ہاتھ گرم رہے حالانکہ جیب میں جگہ نہ تھی۔ ریاض الاخبار میں گرمیٔ سخن باقی رہی حالانکہ اڈیٹر کا دل افسردہ تھا — واقعی سردی نے عجب عالم کردیا ہے یہ شعر بھولے سے بھی یاد نہیں آتا

سحر تو دلنشیں ہے پر کسی کا وقتِ رخصت ہے
ملیں جاڑوں کی راتیں یا الٰہی گرمیاں جائیں

۱۰۔ لو مومنو عشرۂ محرم آیا

پان کھانا موقوف۔ مسّی سرمہ لگانا موقوف۔ زیب و زینت کرنا موقوف ناچ مجرا گانا موقوف۔ تخت و تختۂ زمین کے ہوتے پلنگ پر سونا موقوف محو عیش و عشرت ہونا موقوف۔ پیٹ بھر کھانا کھانا موقوف سرا میں دیوانی کی تعطیل سب اپنے اپنے گھر رخصت نوحہ خوانی کے لئے ڈھونڈھئے تو پردیس میں رنڈیوں کی آواز تک نہ ملے۔ جدھر گذر ہوا۔

پیا سو سبیل ہے سر کوثر لگی ہوئی

جب دیکھئے ماتمی لباس جدھر دیکھئے آسمانی رنگ ہر طرف مجالس عزا ہر طرف صدائے گریہ و بکا۔ شاہدانِ ناز تک برہنہ سر و برہنہ پا۔ نہ گوندھی ہوئی چوٹیاں نہ کفِ پا میں رنگِ حنا۔ مہندی سر پر اٹھانیکی دھوم دھام ہزاروں لاکھوں کا اژدھام۔ تعزیہ داری علم برداری جوشِ گریہ وزاری !!

اہلِ ہنود میں بھی امام کا غم مذہبی تعصب پر چشم پرنم وہ واقعات کہ دیدۂ پُر اشک سے سیلِ خوں بہہ جائے وہ حوادث کہ کلیجہ منہ کو آئے۔

رونا باعثِ ثواب رونا عبادت میں داخل درستیٔ عقبیٰ رونے کا حاصل غرض کہ یہ وہ غم ہے جس قدر کیجئے کم ہے۔

"اے حرم سرا"

ہندوستاں میں دھوم ہے کس کی زبان کی
وہ کون ہے ریاض کو جو جانتا نہیں

حضرت ریاض کا یہ ناول عجیب و غریب ہے۔ حسن بیان نے
اور چار چاند لگا دیئے ہیں۔ دوسرے صفحہ میں بہتی ہوئی لاشوں
کا راز ایسا نہیں جو ناول ختم کئے بغیر چین لینے دے۔ رڑکی کے
دلچسپ تاریخی واقعات کا لگاؤ اور بھی سونے میں سہاگا ہے۔
ہم اس موقع پر نمونہ کے طور پر کسی کسی مقام کی چند سطریں درج کرتے ہیں

وسیع اور لہلہاتے ہوئے سبزہ زار میں خود رو لالہ و گل نے بہار کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا۔ کسی طرف سے گھنی جھاڑیاں نظر کو الجھاتی تھیں کسی طرف شجر گل شاخ در شاخ ہو رہے تھے حنا کی پیوستہ شاخوں کا کہیں دور تک سلسلہ تھا قدرت نے مہندی کی ٹٹیوں کی آڑ میں مہندی لگانے والوں کے شکار کا عمدہ موقع پیدا کر دیا تھا۔ شبنم نے عروس بہار پر جو موتی نچھاور کئے تھے صبح ہوتے ہی سورج کی کرنوں نے اپنے نازک نازک ہاتھوں سے وہ موتی ایک ایک کر کے چن لئے تھے۔

نسیم نمود کے تڑکے ہی اپنی خدمت پوری کر چکی تھی اس کی موجوں نے لچکتے ہوئے بازوؤں سے خار و خس کو ہوا پر بلند اڑا کر مرغان نوا سنج کے نشیمنوں میں ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اس وقت درختوں کی پتیاں چمکتے ہوئے سورج کی

شعاع سے سونے کا ورق ہو رہی تھیں۔

یہ خوشنما نظارہ ایسا نہ تھا کہ دیکھنے والے جو پانی پانی جا رہے تھے انکی نگاہیں جنگل جنگل نہ جائیں۔ کشتی اس جگہ پہنچی جہاں کی فضا قدرتی صحرائی بہار کی جان تھی حنا کی گھنی ٹٹیاں دور تک چلی گئی تھیں ہوا رنگِ لالہ و گل کی آگ میں جلنے والوں کے کلیجے ٹھنڈے کر رہی تھی۔ مختلف میوؤں کے اشجار جوانی میں بھرے معشوقوں کے رنگ کی طرح ٹپکے پڑتے تھے۔

لب رنگین اتنے نازک کہ راز کی بات بھی نہ چھپا سکیں

زلیخا حُسنِ خداداد کی وہ زندہ تصویر تھی کہ عکس بھی آئینہ میں اس کی پوری خوبیاں نہیں دکھا سکتا تھا۔

تازہ الفت میں کہن کے دور کی کیفیت رکھتی ہے۔

اتنے گھنے بال کہ دل سے پہلے نظر کو الجھالیں

ایک خوشنما شام جس کی شفق نے دریا کے حبابوں کو گلاب کا پھول بنا دیا تھا اس کی قد آدم تصویر حیرت کے آئینے میں جڑی ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی صبح کے اس دھیمی روشنی کے آفتاب کا دھوکا دیتی جو افق سے ابھر کر نصف نمایاں ہوا ہو۔

کس قدر قابل رحم ہے وہ دل جس میں چبھتی ہوئی نگاہوں نے کھٹک پیدا کر دی ہو اور چبھی ہوئی پھانس کا نکالنا قابو سے باہر ہو۔

دل پژمردہ ہو کر بھی اتنا ضعیف نہیں ہوتا جس سے آہ نہ نکل سکے

اس کے لباس پر قیمتی جواہرات ایسے معلوم ہوتے تھے گویا اوس پڑا ولے

پڑے ہیں جو ابھی پگھلے نہیں ہیں

جب تک امید مجھکو جھلک دکھلاتی رہی میں بے چین اور مضطرب رہا جب میں نے دیکھ لیا کہ کوئی انسانی طاقت مجھکو نہیں بچاسکتی تو استقلال میرے چہرے پر مایوسی کی نرمی کے ساتھ چھا گیا

امید کی چمکتی ہوئی شعاعیں میرے دل کو اپنے جھرمٹ میں لیکر اس طرح نگہبانی کرتی ہیں جیسے فرشتے سوئے ہوئے معصوم بچہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

محبت اس بیل کی طرح ہے جو جنگلی خودرو اشجار سے لپٹ کر اس وقت تک سرسبز رہتی ہے جب تک اس کی کونپلوں کو اوس ملتی رہتی ہے لیکن جب زبان خشک کرنے والی مایوسی کی گرمی اپنی آگ بھری ہوئی سانس سے جھلسانے والی ہوا کو روانی دیتی ہے تو وہ رفتہ رفتہ اس درخت کو چھوڑ دیتی ہے جس نے ایک مدت تک اس کو لپٹائے رکھا تھا۔

اس کا نکلتا ہوا ڈیل اب جوانی سے گلے مل رہا تھا حسن وجمال پیار سے اس کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے۔

ہم جب ایک دوسرے کو دیکھتے تو خوشی ہم دونوں کی آنکھیں چوم لیتی۔

ایک تو مہین لباس پھر اس کے گلرنگ بدن میں اتنا چبھا ہوا کہ رنگت اوپر سے پھوٹ نکلتی۔ نگاہوں کے تار سے اگر کوئی لباس تیار ہوتا تو ان کپڑوں کے دیکھتے اس میں پھر بھی حجاب ہوتا۔

تیرے کافر حسن کا یہ ادنیٰ اثر ہے کہ دل بیقراری سے گردش کرنیوالی آنکھ کی تپلی بجاتا ہے اور آنکھ کی تپلی ایک ٹھہرا ہوا دل۔

ہر جوان عورت یہہ جاننا چاہتی ہے کہ وہ خوبصورت ہے

اس کے شانوں کا ڈھلاؤ اس کے سینے کا ابھار اس کی لمبائی کے تناسب سے تھا۔

بعض وقت اس کا چہرہ خوشی سے اس طرح دمکنے لگتا جس طرح سورج کی شعاع پڑنے سے خوبصورت پتھر کے چھپے ہوئے حصے چمکنے لگتے ہیں

میرا دل جب کسی کی محبت سے گرم ہوتا ہے تو ظاہر میں بہت سرد معلوم ہوتا ہے اوپر سے تو جمی ہوئی برف کی شکل ہوتی ہے اور اندر ہی اندر جان پگھلتی ہوتی ہے۔

عیب دیکھنے والی نظر زیادہ سے زیادہ کچھ بتا سکتی تو یہی کہ اس کا رنگ زیادہ سپید ہے لیکن کیا یہ سفیدی پھیکی تھی نہیں نہیں اتنی خوشنما کہ دیکھنے والے کے چہرہ پر خوشی کا رنگ آجائے۔ نیلی جلد پر اتنی چمک اور تیزی کہ تندرستی سرخی کا کام دیتی

لغزش اس محبت کے ساتھ میرے پاؤں سے پٹی تھی کہ مجھے اٹھانا مشکل تھا

خوشی کے پھول اس کی آرزوؤں کے سنہرے تاریں گندھے ہوئے اس کے سر کا سہرا بنے جاتے تھے۔

جوانی نے اپنی آمد کی خوشخبری سنا کر ہونٹوں پر مسکراہٹ پیدا کر دی اور حسین چہرے کے آگ لگانے والے رنگ کو آب دیدی

انتہا کا رنج جب اپنے ہی وجہہ سے بے قابو ہو جاتا ہے تو ذکان سے سے آرام کا خواہش مند ہوتا ہے

وہ سو رہی تھی لمبی پلکیں جو اس کی آنکھوں کا جھالر دار پردہ تھیں اپنا سایہ اس کے گالوں پر ڈالے ہوئے تھیں

میں لبِ گور تک ممکن ہو تو اپنے ہی پاؤں سے جاؤں۔

بلند درختوں کی چوٹیوں پر آفتاب کی کرنیں چھائی ہوئی تھیں اور جانیکا نام نہ لیتی تھیں۔ جاتے جاتے وہ بھی اپنی کچھ دھیمی تابانی شفقِ شام میں چھوڑ گئیں۔

باسفورس کا پانی شور نہیں کرتا ہے سمندر کی چمکتی ہوئی سطح بتا رہی ہے کہ گہرائی میں ایک موتی چھپا ہوا ہے ہزاروں اس کے نکالنے کو غوطہ لگاتے ہیں مگر جب وہ ملجاتا ہے تو کوئی واپس آکر یہ نہیں بتاتا کہ کہاں پایا۔ موت یا فنا جس نام سے یہ موتی مشہور رہے موجوں نے اٹھ اٹھکر اور بھی اسے نیچے دبا دیا ہے۔ دفعتاً پھولوں کی سیج چھوڑ کر گہرائی میں کود پڑنا کچھ دیر سمندر کے تھپیڑوں کی تکلیف سہنا۔ ایک چیخ ایک ڈبکی یہ سامان اس موتی کے ہاتھ آنے کے ہیں۔

قسطنطنیہ دو سمندروں اور دو براعظموں کے اتصال پر اس طرح واقع ہوا ہے گویا الماس دو نیلموں اور دو زمردوں کے بیچ میں جڑ دیا گیا ہے ہلالی نشانوں کی تابانی و درخشانی کہہ رہی ہے کہ یہ طلائی ورقِ آفتاب کے ترشے ہوئے ٹکڑے ہیں جنہوں نے وسیع زمین کے ذرہ ذرہ پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔

نقد الادب

۱۔ مثنوی گلزارِ نسیم

آج کل اودھ پنچ میں یہہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ مولوی عبد الحلیم صاحب شررؔ نے جو اعتراض گلزارِ نسیم پر کئے ہیں صحیح ہیں یا غلط اس ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ بری نوبت آگئی ہے مولٰنا شرر کی نسبت بہت سخت الفاظ استعمال ہو رہے ہیں جن کو پڑھکر افسوس ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ہمارے مکرم و محترم منشی سجاد حسین صاحب کیوں اس قدر خفا ہو گئے ہیں شرر نے اگر گلزارِ نسیم پر ریویو کیا تو کوئی خطا نہیں کی شرر نے اگر خوشامدانہ ریویو نہیں کیا تو واجب التعزیر نہیں! شرر کے ریویو پر اگر ہمارے مکرم اور فاضل دوست کو سختی کے ساتھ کچھہ لکھنا تھا تو پہلے مسٹر چکبست کی حیرت انگیز دلیری پر کچھہ لکھنا چاہیے تھا جنہوں نے آتش۔ رند۔ صبا۔ وزیر۔ ناسخ سب کی تحقیر و توہین کی اور ایک حد تک سب کا درجہ نسیم سے گھٹا دیا جب کہ یہہ امر مسلّم ہے کہ

نسیم کی کوئی بساط اور حقیقت ان شعراء کے سامنے نہ تھی صرف اپنی قوم کے ایک شاعر کی مداحی کے خیال میں مسٹر چکبست نے تمام لکھنؤ کے نامور شعرا پر بہت خراب اور کمزور اور بزدلانہ حملہ کیا۔

جو اعتراضات شرر نے کئے ہیں گو موجودہ زمانہ میں حرف حرف ان کا صحیح ہے مگر جس زمانہ میں نسیم تھے اس وقت کی زبان اور طرز کلام اور تصرفات کو دیکھتے ہوئے ہم نسیم کی کوئی خطا نہیں دیکھتے ہمارے دوستوں کو صرف یہی لکھدینا چاہیئے تھا مگر نسیم کی غلطیوں کا جواب دینا اور غلط الفاظ کو صحیح ثابت کرنا یہہ ایک بڑی جرأت ہے

ہمارے دوست اور عالی دماغ مکرم نے یہہ بھی لکھا ہے کہ ہم نے شرر کو دیہاتی لکھا گویا ہمارا روئے سخن شرر کی طرف نہیں تھا مگر یہاں پر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر شرر کو ہم دیہاتی لکھیں تو شرر کی کوئی توہین نہیں ہے بلکہ فخر ہے کہ دیہات کا باشندہ آج اس قابل ہے جس کی کتابیں نصاب تعلیم میں داخل ہیں اور جس کی زبان کی لکھنو میں سند لیجاتی ہے اور جو تمام ملک میں فخر لکھنؤ مشہور ہے۔

اور اسی طرح اودھ پنچ کی وقعت و عزت تمام ملک میں ہے حالانکہ وہ بھی ایک دیہاتی اڈیٹر کے ہاتھ میں ہے ـــــ کہنے کو جو دل میں آئے کہے مگر جب تھوڑی دیر اس مسئلہ پر کوئی غور کرتا ہوگا تو انصاف اس کو سمجھاتا ہوگا کہ بیشک قصباتیوں کی بدولت آج زبان کا عروج ہے شہری ہونے کا خیال تو میر و مرزا تک تھا اور وہ زمانہ بھی اسی کا تھا۔

اب اس فضول خیال کو دل سے نکال کر یہہ دیکھنا چاہیئے کہ شرر نے
جو اعتراض کئے صحیح ہیں یا نہیں!

ہمارے نزدیک شرر کے اعتراض ضرور صحیح ہیں۔ آتش نے لکھا تھا

درد درماں سے المضاف ہوا

مگر پھر ان کی کسی نے تقلید نہیں کی اگر کوئی تقلید کرتا تو ٹوکا جاتا۔ نسیم
نے اگر حمل کہا تو غلط کہا جان صاحب نے لکھا تو غلط لکھا کوئی لکھتا
یہہ لفظ غلط ہی رہتا اس پر اس قدر اصرار کیوں ہے کہ غلط لفظ صحیح
مان لیا جائے۔

اگر ہمارے شاعروں کی شاعری کا موازنہ اسیطرح کیا گیا تو دنیائے شاعری
میں ایک شاعر بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کون کہہ سکتا ہے کہ لکھنؤ کی
لونڈیاں جو غلط لفظ بولتی ہیں وہ کتابی حیثیت سے بھی صحیح سمجھے جائیں
لکھنؤ میں تو کبوتر کو قبوتر کاغذ کو قاغذ اور علی بخش کو علی بکش کہتے ہیں
جناب آتش مرحوم اور جناب جان صاحب کے خطوط اور نواب نوازش علیخاں
مرحوم کے گھر کی لونڈی کی دستاویز کا کوئی اثر ان اعتراضات پر نہیں
ہو سکتا جو گلزار نسیم پر کئے گئے۔ ہم پھر کہینگے کہ اس میں قابلِ الزام جو
صاحب ہیں وہ جناب چکبست ہیں جنہوں نے محققانہ دیباچہ نہیں لکھا
اور اعلانِ جنگ کرکے مشہور استادوں کی توہین کی اور غلط روایات
فرضی طور پر درج کرکے لکھنؤ والوں کا دل دکھایا۔ ایسی حالت میں
اگر نسیم صاحب کی فاش غلطیاں دکھائی گئیں اور ثابت کر دیا گیا کہ یہہ

اس قابل نہ تھے جن کو استادوں کے برابر کرسی دیجائے تو کیا بری بات جناب شرر نے کی۔

مرزا۔ صبا۔ وزیر۔ امانت کے کلام میں کیسے ہی عیوب چکبست صاحب نکالیں مگر عموماً ان لوگوں کی قابلیت اور انکی زبان اپنے زمانہ میں تسلیم کرلی گئی تھی۔ وہ زمانہ تو بہت دور رہا اس وقت بھی لکھنو میں کشمیریوں کی زبان کی کوئی سند نہیں لیتا۔ ہمارے آنجہانی دوست جناب سرشار جن کو لکھنو کی زبان کا دعویٰ تھا ان کو بھی آخر میں یہہ بات معلوم ہو گئی تھی اور اودھ پنچ نے ثابت کردیا تھا کہ طباعی اور ذہانت اور چیز ہے اور زبان دانی اور شے!

حاصل کلام یہہ ہے جناب نسیم کا شمار استادوں میں نہ جب تھا نہ اب ہے اور ان کے کلام پر جو اعتراض کئے گئے وہ بالکل صحیح تھے اس لئے کہ وہ آتش کے شاگردوں میں تھے اور آتش اور ان کے شاگرد ان ترکیبوں اور بندشوں کو اور اس زبان کو ترک کرچکے تھے جو نسیم نے گلزار نسیم میں لکھی ہے۔

نسیم نے ایک سخت کام اپنے ذمہ لیا تھا وہ عیوب سے مثنوی کو نہ بچا سکے اور چونکہ محلات کی زبان اور خواص کی صحبتوں سے دور تھے اس لئے زبان کی خوبیاں بھی مثنوی میں نہ پیدا کرسکے ہاں شاعرانہ محاسن استعارات اور تشبیہات خوب صرف کی ہیں۔

نصف صدی گذر گئی اودھ کے کسی باشندہ نے گلزار نسیم پر نکتہ چینی

نہیں کی محض اس خیال سے کہ جہاں اس میں سینکڑوں عیب سینکڑوں خوبیاں بھی ہیں مگر اب مسٹر چکبست نے خود چھیڑ کی ہے مسٹر چکبست جناب امانت مرحوم کی زبان پر حرف رکھتے ہیں۔ خدا کی شان کہ امانت مرحوم تو زبان سے ناواقف ٹھہرائے جائیں اور نسیم اہلِ زبان کہے جائیں اور پھر توقع کیجائے کہ نسیم کی ستائش میں آپکی ہاں میں ہاں ملانے کو اہلِ لکھنؤ زبان کھولیں۔

سچ تو یہہ ہے کہ کسی فن کی تنقید کے لیئے اس سے واقفیت بھی ضروری ہے اگر کوئی شخص کہے کہ تاج محل میں نقص رہ گیا تو اس کے لیئے یہہ بھی لازم ہے کہ وہ فن انجنیری سے واقف ہو۔

مسٹر چکبست کی تعلیم انگریزی بیشک قاعدہ سے مکمل ہے مگر ان کو شاعری کے نکات اور اس کے فن سے کیا تعلق اگر کچھ بھی تعلق اور واقفیت ہوتی تو امانت مرحوم کی زبان پر وہ اعتراض نہ کرتے۔ کہا گیا ہے کہ امانت مرحوم کو رعایت لفظی کا جنون تھا مگر یہہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس وقت سوسائٹی کا رنگ طبیعت کیا تھا اور یہہ کہ رعایتِ لفظی اضافِ سخن میں داخل ہے یا نہیں! "جنون" کی جگہ چکبست صاحب دوسرا لفظ بھی استعمال کر سکتے تھے مگر دلی خیالات پر پردہ نہ ڈال سکے حالانکہ اس معاملہ میں نسیم بھی امانت سے کچھ پیچھے نہیں رہے ہیں۔

"جناب ناسخ" پر ایک سخت چوٹ قومی تعصب کے پردہ میں چکبست نے کی ہے جس کا کسی تذکرہ میں ذکر نہیں اور نہ کوئی اور ثبوت۔

چکبست اپنے "مقدمہ" میں لکھتے ہیں

مشاعرہ شروع ہونے سے قبل شیخ ناسخ نے نسیم صاحب سے
مخاطب ہو کر کہا پنڈت صاحب ایک مصرع ہوا ہے دوسرا نہیں
سوجھتا! انہوں نے جواب دیا فرمائیے۔ ناسخ نے مصرع پڑھا۔

شیخ نے مسجد بنا مسمار بتخانہ کیا

ان کے منہہ سے مصرع نکلتے ہی نسیم نے کہا

تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا

سب پھڑک اٹھے۔ شیخ ناسخ نے مذہبی چوٹ کی تھی مگر نسیم نے ٹھنڈا کر دیا

اس کذب و افترا میں چند باتیں قابل غور ہیں

(۱) ناسخ کی غیور طبیعت ایسی نہ تھی جو وہ نسیم کو قابل خطاب سمجھتے اور انکو اس تعظیم و تکریم کے ساتھ مخاطب کرتے جو آتش کو بھی کبھی خیال میں نہ لاتے تھے۔

(۲) ناسخ ایسے غیر مہذب نہ تھے کہ وہ ایک ہندو کو اور پھر اپنے محبوب ہندو کو مخاطب کر کے ایسا دلشکن مصرع پڑھتے۔

(۳) نسیم لاکھ حاضر جواب سہی مگر ناسخ کا دبدبہ اور طنطنہ ایسا تھا کہ وہ ان کو ناسخ کے سامنے زبان نہ کھولنے دیتا۔

دراصل نسیم نے کوئی مصرع لگایا نہ ناسخ نے کوئی مصرع پڑھا نہ اس حکایت کا ذکر کسی اور مقام پر دیکھا گیا یہ صرف غلط قومی جوش کا نتیجہ تھا جس نے بے سروپا قصے گڑھنے کی چکبست کو جرأت دلائی اور اس طرح ناسخ؟

مقابلہ بزعم خود چکبست نے نسیم سے کیا۔

نسیم کی طرفداری کرنے والوں کی نظر اس مقدمہ پر نہیں پڑی صرف چکبست کے فقروں میں آگئے نسیم نسیم نسیم کہنے لگے۔

۲- سرمایۂ زبان اردو

ہم اس وقت "سرمایۂ زبانِ اردو" کو دیکھ رہے ہیں جس کا دوسرا نام تحفۂ سخنوراں ہے یہ لغت سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی کا ہے جن کا نام دیکھتے ہی لوگ چونک اٹھینگے۔ اردو زبان کی ایسی کتاب پر بہت شوق سے دل لوٹتا ہے جو اصل زبان کی درست کرنے والی ہو اس سے پہلے ہم نے کچھ حصہ "ارمغان دہلی" "مخزن اللغات" اور لالہ چرونجی لال کے لغت کا بھی دیکھا ہے۔ ان کتابوں کے مرتب کرنے والے ایسے ایسے چوکے ہیں کہ توبہ بھلی — مخزن سے ارمغاں پھر غنیمت ہے۔

آج سرمایہ زبانِ اردو سے پالا پڑا ہے۔ جلال کے نام سے اس لغت کو دیکھ کے نام بڑے درشن تھوڑے یہہ مثل ٹھیک اتری۔ بات یہہ ہے کہ لغت کی راہ ایسی کٹھن ہے کہ سر کا پسینہ تلوؤں کو آجائے تب بھی اکیلے آدمی سے شاید طے نہ ہوسکے ہاں کوئی ایسا ہو کہ پہلے مسودہ شایع کرکے ملک کے اچھے اچھے لوگوں سے رائے لے اور جب کوئی بھول چوک پر مطلع کرے تو ناک بھوں نہ سکوڑے بلکہ کتاب کی درستی پر متوجہ ہو لیکن یہہ بھی جب کہ جب چند آدمی اسی پر ادھار کھا بیٹھیں اور خرچ کرنے کو

روپیہ بھی رکھتے ہوں

جلال اکیلے آدمی اور پھر بوڑھے اتنا تنتھا نہیں۔ یہی سبب ہوا کہ سرمایۂ زبانِ اردو لالہ چرونجی لال کی کتاب مخزن المحاورات کے ساتھ برابر کے پلّے پر تلنے کے قابل ہے

بے شبہہ رفتہ رفتہ لوگوں کو تجربہ ہوگا اور جو پیچھے کتاب لکھینگے وہ سنبھل کر لکھینگے۔ لیکن دو لغت پہلے شایع ہو چکے تب بھی جلال کو کچھ خاک تجربہ نہ ہوا

عبارت ایسی پوچ ہے کہ آج کل نو سکھے بھی ایسی نہ لکھینگے۔ کنایہ اور اشارہ یہہ دو لفظ خدا جانے کس مولوی نے ان کو پڑھا دیے تھے جن کے چلتے ایسے محاورہ جن کو مصدر کی شکل میں قایم کیا ہے انہیں ان کے معنی صورتِ مصدر سے علحدہ دکھائی دیتے ہیں

ایسے لغات سے آج کل کے الھڑ چوپٹ ہونگے اور دور کے رہنے والے یہہ سمجھینگے کہ لکھنؤ کے شاعر جلال نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے۔ اس مجبوری سے اس لغت پر ہم کو کچھ لکھنا پڑا

اگر ہم اس سرے سے اس سرے تک اس لغت کے دیکھنے کا ارادہ کریں تو جی اکتا جائے اور ہم اپنے دل پر جبر بھی کریں تو یہہ ڈر ہے کہ جن لوگوں کو زبان کا مذاق کم ہے وہ ہم کو کوسینگے کہ کہاں کا راگ مالا چھیڑا جس کا اور چھور نہیں ورنہ الف الف زبر آ سے ہم شروع کرتے اور "یہیں" لغت کا آخری لفظ تک پہنچ کے تمت بالخیر لکھدیتے تا کہ لوگ

دھوکے میں نہ رہیں بہر حال ہم آج ورق الٹ پلٹ کے کچھ لکھے دیتے ہیں

برآر از مدِ بسم اللہ تیغِ خوش مقالی را
مسخر کن سوادِ اعظمِ نازک خیالی را

"آدمی - کنایہ ہے نوکر سے"

اور جو نوکر نہ ہو اسے آدمی نہ کہنا چاہیئے شاید حضرت جلال اس پر جانور کا اطلاق فرماتے ہیں -

"آنچل پلّو - ایک قسم کا دوپٹہ ہوتا ہے کہ دکن اور بنارس میں بنایا جاتا ہے اور دونوں کنارے عرض کے زری باف ہوتے ہیں"

معنی غلط - آنچل پلو دوپٹہ کا نام نہیں ہے ہاں دوپٹہ میں آنچل پلو ہوتے ضرور ہیں

"آنکھ پھوڑ ٹڈا - کنایہ ہے سخت بدسرشت و مفسد"

شاید جلال نہ جانتے ہوں کہ دراصل یہہ نام ایک قسم کے بوٹ کا ہے جو "آگھر" کے درخت پر رہتا ہے - مفسد کو اس بوٹے کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ کہ دراصل

"آنکھ کا جاتی رہنا"

لغت میں لکھنے کی ایسی غلط ترکیب سخت مضر ہے - آنکھ کا جاتا رہنا یا آنکھیں جاتی رہنا ہونا چاہیئے -

"آنکھوں کا کھٹکنا - عبارت ہے درد چشم سے"

یہہ معنی غلط - کھٹک دوسری چیز ہے اس کو درد نہ کہتے ہیں

نہ کہہ سکتے ہیں۔ کھٹک سے رہ رہ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی
چیز آنکھ میں چبھ اٹھی

آنکھیں پھر جانا۔ کنایہ ہے احتضار کے وقت دونوں آنکھوں کی
زینت بدل جانے سے"

اور محبت کے بعد رکاوٹ کا آجانا۔ روزمرہ کی بات چیت ہے
آپکی آنکھیں پھر گئیں

آواز بھاری ہونا۔ عبارت ہے آواز کے گراں ہو جانے سے بسبب چیخنے کے"
حضرت۔ نزلہ وغیرہ سے بھی آواز بھاری ہو جاتی ہے

"اپھرنا۔ کنایہ ہے تھوڑی سی مقدرت پر کمینوں کے غرور کرنے سے"
اتنا کھانا یا پینا کہ سانس پھولنے لگے اس کو بھی "اپھرنا" کہتے ہیں۔

اصیل۔ اچھے لوہے کی تلوار، زن طباخہ و خدمت گزار"
کیا حضرت جلال نہیں جانتے کہ "اصیل" مرغ کے اقسام میں بھی ایک مشہور قسم ہے۔

"اکا۔ اس نگینہ کو کہتے ہیں جو بازو پر باندھا جاتا ہے"
نگینے کا اطلاق غلط ہے۔ اکا زیور ہے جس پر نگینہ جڑا ہوتا
ہے جلال نے خود بھی سند میں برق کا شعر لکھا ہے ؎

دو چنداں ہو گیا زیور سے عالم اس پریرو کا
گل خورشید ٹیکا اور قمر اکا ہے بازو کا

پھر بھی نہ سمجھے اور غلط معنی لکھدئے

البیٹھ۔ فریب کو کہتے ہیں

غلط۔ کوئی حرکت جو چلتے کام میں روک ٹوک پیدا کرے

الیسٹھ کہلاتی ہے

اللّے تللّے کرنا۔ عبارت ہے مفت کا روپیہ خاطر خواہ خرچ کرنیسے"

مفت کی تخصیص غلط۔ ضرورت سے زائد اسراف صحیح

اوکھل میں سر دیا تو دھمکوں کا کیا ڈر۔ ایک مثل ہے جو اس جگہ کہی جاتی

ہے کہ کوئی خوفناک مقام میں دانستہ قدم رکھکر بعد کو پس و

پیش اور اندیشہ کرے"

پس وپیش اور اندیشہ کی حالت غلط۔ خود مثل کی صورت ان

پہلوؤں کے خلاف ہے صحیح یوں ہے کہ یہہ مثل وہاں بولتے ہیں

جہاں کسی دھڑکے کے موقع پر بے دھڑک جرائت کیجائے

۳۔ آب دست

ہز ہائی نس نواب صاحب رامپور کے دَربار دُربار میں آج کل شعراو زبان

اردو کا اچھا خاصہ مجمع ہے ان شعرا میں لکھنؤ و دہلی کے مقلد و غیر

مقلد دونوں شامل ہیں

جہاں مجمع ارباب کمال ہوتا ہے ہر قسم کی تحقیق ہوتی رہتی ہے ـــــ

شعرا رکا بے کار گروہ صرف زبان کی بحث میں اگر وقت صرف کرے

تو بڑا کام نکل جائے مگر بحث ہو سلیقہ کی۔ تہذیب کی اور زبان کی اصلاح

کی نیت سے۔ اس بحث میں ذاتی رنجش اور عداوت کا شائبہ نہ آنے پائے

ریاست رامپور ہمیشہ زبان اور علم کی حفاظت کرتی رہی ہے نواب خلد آشیاں کی پوری پیروی اس معاملہ میں ہز ہائی نس بالقابہ فرما رہے ہیں۔ اس موقع کو غنیمت جان کر اردو کی ترقی کی کوشش کرنا چاہیئے تھی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ شعرار لکھنؤ میں اختلاف ہو گیا ہے

میر مہدی کمال اور آغا منظر میں یہہ بحث چھڑی۔ ایک صاحب آبدست کی تذکیر کے دعوی دار ہوئے دوسرے صاحب تانیث کے۔ ایک محضر بنا کر لکھنؤ بھیجا گیا لکھنؤ میں کوشش کی گئی کہ آغا منظر کی بات نہ جانے پائے جناب فصاحت اور جناب عارف سے بھی تانیث ہی پر سند لکھوائی گئی۔ کیا یہہ صریحی اندھیر نہیں ہے کہ آبدست کو اب تک کسی گنوار سے گنوار نے بھی مونث نہیں لکھا ہے جلال و امیر جو زبان اردو کے بڑے معلم اور ادیب ہیں وہ بھی تذکیر کے قائل ہیں۔ میر انیس کے خواندان سے ایسی آواز تعجب ہے جو اس بات کا فخر کرتا ہے کہ ہمارا گھر زبان کی ٹکسال ہے۔ دلی اور لکھنؤ میں آبدست بلا اختلاف مذکر ہی بولا جاتا ہے۔ اگر لکھنو کے کسی گھر میں یہہ مونث استعمال ہوتا تو امیر و جلال ضرور اس پر نوٹ دیتے یا امانت مرحوم اور انیس مرحوم کے کلام میں کہیں مونث نظر آتا۔ ہم کو جناب فصاحت اور جناب عارف سے تعجب ہے کہ محض پاس خاطر سے ایسا فتوی دیا جس سے بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا۔ اگر آبدست مونث ہے تو "پیشاب" اور "پاخانہ" بدرجہ اولی مونث ہے۔ میں نے پیشاب کی میں نے پاخانہ پھری فرمائیے

یہہ صحیح ہے کہ دلی اور لکھنؤ میں قدیم زمانہ سے یہہ اختلاف رہا ہے کہ دونوں شہروں میں دو دو تین تین زبانیں استعمال ہوا کی ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ متفق علیہ الفاظ اور محاوروں میں اختلاف کیا گیا ہو پانی کو ہمیشہ دونوں جگہ ہر فرقہ نے مذکر ہی کہا۔ ہاتھہ کو مذکر ہی کہا یہہ اور بات ہے کہ جب آب۔ دست ملجائیں تو خاندانِ انیس و خاندانِ امانت میں مونث ہو جائے حالانکہ اب ڈبل تذکیر ہونا چاہیئے۔

۴۔ حادثہ

حوادثات کی صحت پر ہمارے بعض دوستوں کو بہت اصرار ہے اور ساری قوت صرف کیجاتی ہے کہ ہم اس کو مان لیں مثالیں بھی پیش کیجاتی ہیں مگر یہہ عجیب بات ہے کہ ان دوستوں کو خاص حوادثات کی سند کسی عربی شعر سے نہیں مل سکتی

حسان الہند۔ مجدد السنۂ مشرقیہ کی طرف ہمارا روے سخن اس وقت نہیں ہے وہ خود بھی سینکڑوں شعر لکھکر ہم کو قائل کر سکتے ہیں ـــــ ہم عالم فاضل مولوی کامل پیسہ اخبار کے اڈیٹر صاحب سے خصوصیت کے ساتھہ تمنا رکھتے ہیں جنھوں نے بڑی شد ومد سے نوٹ دیا ہے اور حسان الہند کا پیش کردہ شعر "سراویلات" کے متعلق درج فرمایا ہے۔

اڈیٹر صاحب "مفید عام" سے ہم کو صرف اس قدر کہنا ہے کہ انہوں نے ہماری نسبت شک کیا ہے وہ غلط ہے ہمارا مقصد یہہ نہیں ہے کہ آپس میں تو تو

ہیں میں ہو نہ ہم ان کو شہر سے لڑوانے کا ارادہ رکھتے ہیں
مولوی سید افتخار عالم صاحب کے اور ہمارے تعلقات ایسے کمینے خیالات پر مبنی نہیں ہیں جن کا یہہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔

حوادثات کے متعلق جو کچھ ہمارے دوست نے لکھا ہے وہ جمع المجموع کے قاعدے کے خلاف ہے اب رہا سماعی معاملہ وہ بغیر کسی خاص سند کے قابل تسلیم نہیں اور سند بھی شعر سے ہونا چاہیئے اور شعر بھی عربی کا ہو۔
مسلم الثبوت استادِ اردو حالی کی جو سند پیش کیجاتی ہے اس کی نسبت صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ مقبولِ فریقین نہیں ہیں اور یہہ اصولِ مناظرہ کے خلاف ہے کہ سند میں کوئی غیر مقبول شخص پیش کیا جائے سر سید کی زبان وغیرہ کے متعلق بحث بیکار ہے وہ نہ دہلی میں مستند مانے جاتے ہیں نہ کوئی ان کو فصیح البیان سمجھتا ہے وہ جس کام کے آدمی تھے خدا مغفرت کرے وہ ان کے ساتھہ گیا اور اگر غلط الفاظ سر سید مرحوم تو کیا منشی امیر احمد مرحوم بھی استعمال کرتے تو کون تسلیم کرتا اردو کی وسعت کا یہہ طریقہ نہیں توسیعِ زبان کا مسئلہ نازک ہے اس میں آپ لوگوں کے خواجہ صاحب بھی مبتلا ہیں اگر آپ کو ضرورت ہوگی تو وسعتِ زبان کے مسئلہ پر ہم کسی وقت اور بحث کرینگے۔

حوادثات کے لئے "حوادث" اور "حادثات" تو موجود ہی ہیں پھر اس قدر توسیع کی کیا ضرورت ہے

حضرت ریاض اپنی طرز کے موجد ہی نہیں تھے انہوں نے

اپنی قابلیت سے اپنا ایک خاص "اسکول" قائم کر لیا تھا "اودھ پنچ" اور "ریاض الاخبار" کا انداز تحریر بعض مقامات پر مماثلت کے باوجود اکثر مختلف ہے — لیکن حکیم برہم نے ریاض کی تحریر کا ایسا کامل چربہ اتارا تھا کہ ریاض کی بہت نازک اور لطیف خصوصیتِ تحریر کے باوجود اکثر موقع پر حکیم برہم کی تحریر پر حضرت ریاض کی تحریر کا شبہہ ہو جاتا ہے پہلے خیال کے ثبوت میں "سرمایۂ زبانِ اردو" کو اور دوسرے خیال کے ثبوت میں "نقد الادب" کے زیر عنوان مندرجۂ ذیل مضامین میں سے بعض کو شک کے ساتھ ہم پیش کرتے ہیں

۵۔ خمخانۂ جاوید

خمخانۂ جاوید کی پہلی جلد میں لالہ سری رام صاحب منصف لاہور نے الف۔ ب ختم کی تذکرہ کے اعتبار سے یہہ صرف ایک فہرستِ شعراء ہے اور بس اور ہر طرح کے کلام کا مجموعہ جہاں بہت سے شاعروں کی لیاقت اور قابلیت پر رائے اور قیاس کا ڈونگرا برسایا گیا ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالی اور مولوی محمد حسین آزاد پر بھی عنایت کی گئی ہے۔

لالہ صاحب فرماتے ہیں آزاد اور حالی آشوب کی وجہ سے اپنے ابتدائی زمانہ میں بہت کچھہ فروغ پا چکے ہیں بلکہ سنا ہے کہ مولینا حالی کو نیچرل شاعری کا شوق اور خیال آپ ہی کی صحبت میں ہوا اور آپ

ہی کی مدد سے بہت کچھہ کامیابی حاصل کی۔

اس بات کا جواب جناب حالی ہی دے سکتے ہیں ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ آزاد کے حالات میں لالہ صاحب نے یہہ تحریر فرمایا ہے کہ آزاد کی برکت سے حالی نے مدو جزر اسلام لکھا ہے اور رنگ اختیار کیا ہے۔ خدا جانے ان دونوں باتوں میں کون سچی ہے مگر تعجب ہے کہ ایسے شاعر یکتا نازک خیال ملٹن اور شکسپیر کے ہمنوا کا ایک شعر بھی لالہ صاحب اپنے تذکرہ میں نہ لکھہ سکے اور زیادہ تعجب اور حیرت اس پر ہے کہ چچا (آشوب) کی صحبت کا اثر بھتیجے (لالہ سری رام) پر کچھ بھی نہ ہوا تذکرہ کی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی باٹوڈھی یا جھجھر کا رہنے والا اس کا مصنف ہے لالہ صاحب کے چچا کا اسم گرامی پیارے لال اور تخلص آشوب ہے۔

ہے سپتاں فارسی ہندی لسوڑا جانئے

۶۔ نغمۂ بہار

نام کے سوا سب باتیں اچھی۔ اگ ذرا دور سے دیکھئے تو سچ مچ "پیام یار" ہی معلوم ہو شاید صفحے پیام یار سے زیادہ اور اشعار بھی —— اچھے کلام کی فراہمی میں زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ گلدستوں کے لئے ضرورت ہے تو اسی کی اور یہی بات اوروں کو نصیب نہیں ورنہ پیام یار کی طرح ترقی کر جانا کیا دشوار امر ہے۔ ہم نے نغمۂ بہار کو بہت ہی وقعت

کی نگاہ سے دیکھا "عطر فتنہ" میں اس قدر انتخاب اور گلدستوں کا شاید نہ ہو۔ اب تک اس پرچے کے دو نمبر نکلے ہیں دونوں ایک دوسرے سے اچھے۔ کلام کے لئے اگر یہی اہتمام رہا تو اس کی ترقی میں شک نہیں۔ مہتمم کا نام اور پرچہ کی قیمت ہم کو یاد نہیں، درخواست بھیجنے والے "مہتمم نغمۂ بہار لکھنؤ" لکھکر کام نکالیں۔ رہی قیمت وہ ایک نمبر پہنچنے پر خود معلوم ہو جائے گی

حشر کے روز حسیں آئینگے کیا کیا بنکر
تم نکلنا تو میرے دل کی تمنا بنکر

"نقد الادب" کے سلسلے میں حضرت ریاض کا ایک یہہ انداز تنقید بھی تاریخ ادب اردو میں یادگار رہے کہ بعض رسالوں اور کتابوں پر صرف ایک فقرے یا مصرع میں انتہائی بلاغت سے تمام اظہار رائے کر دیا گیا ہے

۷۔ کنواری ارمان بیاہی پشیمان

کنواری ارمان کا حال "ہمدرد" سے پوچھنا چاہیئے۔
اور بیاہی پشیمان کی کیفیت "مشیر قیصرہ" سے ــــــ

جان لو کچھ گذر گئی اس پر
منہ چھپائے جو کوستا جائے

۸۔ ثمرۂ دیانت

(قاضی سر عزیز الدین مرحوم کا ایک مشہور و معروف ناول)

اے دیانت بر تو لعنت از تو رنجے یافتم

۹۔ الندوہ خاتون

"خاتون" علیگڈھ سے نکلیں اور الندوہ مولوی ندوۃ العلماء کے دفتر سے۔ ہم نے دونوں کو نہیں دیکھا اور نہ تمنا ہے کہ دیکھیں مگر دوستوں سے سنا ہے کہ ایک بے ضرورت اور ایک باضرورت!

۱۰۔ دامنِ گلچیں

رہتا ہے پھول ہاتھ میں انکے گلاب کا
دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کسیکا جگر نہ ہو

مرجھائے ہوئے بدرنگ اداس پھولوں کی بو باس کو ہمارے دماغ سے کیا لگاؤ وہ ہوگی تو کسی گورِ بیکس کے لئے ہمارے وہ پھول ہیں جو ہری بھری پھلی پھولی ہوئی شاخوں سے ٹوٹے اور موج نسیم نے اپنی نازک بل کھاتی ہوئی کلائیوں کو تکلیف دیکر "دامنِ گلچیں" میں لا ڈالے مگر خاص لگا دیا اس کو برقِ جمالِ شوخ کار جبنوں کا دامن ناز سمجھ رہی ہیں جس کی وسعت میں کتنے چوٹ کھائے ہوئے دل و جگر کے بے شمار لختِ رنگین

ہیں انکی شوخیٔ رنگ سے جب موج پردہ بن کر اٹھتی ہے تو وہ عالم نظر آتا ہے کہ ہزار چمن صدقے۔ عروس بہار کی چوٹی میں اہنیں کے موجِ رنگ کا موباف پڑا ہے عروسِ بہار کے عارض و رخسار پر گلگونہ اہنیں کے عکسِ رنگ کا نتیجہ ہے۔ آج مرتبہ شناس نگاہوں میں جو وقعت "دامنِ گلچیں" کی ہے کسی دوسرے گلدستہ کی ہرگز نہیں ہوسکتی ــــ دامنِ گلچیں ہمارے ملک کے لئے زیادہ تر اس وجہ سے فخر کا باعث ہو رہا ہے کہ اس کی اشاعت مفتخر روزگار امیر کے ہاتھوں سے ہے ــــ اس امر کے معلوم ہونے پر اب ہم کو کوئی ضرورت نہیں کہ اس کے حسن و قبیح پر رائے دیں

دوسرے نمبر کی اشاعت میں دیر ہونے سے مہتمم دامنِ گلچیں نے جو عذر شائع کیا اس سے ہم کو قوی امید ہے کہ آیندہ ہمیشہ وقت پر شایع ہوگا۔ البتہ ہم نے مختلف جلسوں کو اس گفتگو سے خالی نہیں پایا کہ ٹائپ میں اس کا چھپنا اچھا ہے یا لیتھوگراف ہم اپنے ساتھ اپنے ہم عصر اخباروں اور خاص خاص لوگوں کو ٹائپ میں چھپنے کے لئے ہم رائے پاتے ہیں مگر عام طور پر بڑے حصہ ملک سے یہی آواز آرہی ہے کہ ٹائپ کے "استخوانی حروف" سخت بدنما اور آنکھوں پر بار ہیں۔

ہم گلہ مند و شکوہ سنج نہ ہونگے اگر مہتمم دامنِ گلچیں عام رائے کا پاس کریں اور استخوانی حروف کی خلش کو جو موجودہ حالت میں "دامنِ گلچیں" کے ساتھ "خلشِ خار" سے زیادہ اثر رکھتی ہے دور کریں۔

سبحان اللہ کس حسن ادب سے ٹائپ کے خلاف اپنی رائے کا

اظہار فرمایا ہے۔

انتقاد

ریاض الاخبار میں "دامنِ گلچیں" پر ۱۹۰۸ء کی تنقید کے ساتھ گلچیں کے دامن پر ۱۹۱۸ء میں دوسری تنقید ملاحظہ ہو

میں رکھوں ریزۂ مینا کو دل میں
ارے کس پھول کی یہ پنکھڑی ہے

جناب دلگیر کا نقاد ہمارے لئے پھول کی پنکھڑی ہے یا نقاد کا حرف حرف ہمارے لئے وہ ریزۂ مینا ہے جو پنکھڑی یا رگِ گل کی طرح نازک موج سے کے نشتر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ـــ مینا بھی وہ جس کے دیکھنے والے نشہ میں چور ہو جاتے ہیں اور وہ خود چور نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو اس صفت یا طلسمی صورت سے کہ ریزے اس سے پیوستہ رہ کر کسی نگاہِ گرم کی برق جولانیاں دکھائیں ۔ ہر ریزہ نگاہِ ناز کی طرح دل میں اترا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر مثرہ کی پھانس کی طرح ٹوٹ لئے تو کچھ بھی نہیں نگہ سے کام لیجئے تو ہر ریزہ بجائے خود مینا کا جزو پیوستہ جیسے صفحاتِ نقاد کے حرف چوٹ کھائے اور چوٹ بھی پتھر کی۔

جس طرف ٹوٹ کے آجاتے ہیں کر دیتے ہیں چور
ساقیا سیکھے ہیں شیشوں نے چلن پتھر کے

کون ہے جو ایسے ریزۂ مینا کو دل میں جگہ نہ دے اور بے اختیار یہ نہ کہہ اٹھے

ارے کس پھول کی یہہ پنکھڑی ہے

نقاد آنکھوں سے اس لیے اوجھل ہوا تھا کہ بن سنور کر "حور" پریس سے نکلے تو شیشہ کی پری کو شرمائے۔ موسیقی کی تان۔ رقاصہ کا رقص۔ کافر مشرب "مہدی" کا حسن بیان۔ قمر زمانی بیگم کی تیتری۔ ساتھ ہی ریاض و جلیل بھی شمع بزم آرا کے پروانے بنے ہوئے۔ کچھ اور بھی صحرائی پھول پتیاں۔ انتخاب کا قصد کیجیے تو نظر انتخاب پکار اٹھے سے

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

ہم اس لیے زیادہ خوش ہیں کہ نقاد کے صفحات میں جو کچھ ہے وہ "گلچیں کے دامن کے لیے ہے۔ دامن کی وسعت گلچیں کو دست درازی کے لیے مجبور کرتی ہے۔

۱۲۔ گلکدۂ ریاض

اب خود حضرت ریاض کے بعض رسائل و اخبار اور تصانیف کا تذکرہ خود ان کے قلم سے "تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں" کے ماتحت ملاحظہ ہو۔

اس پرچہ کی اشاعت ذریعۂ تجارت نہیں صرف مذاقِ سخن کا درست کرنا ہے۔ یہہ احسان ہمارا تمام اہلِ ہند پر ہے۔ ہم لکھنؤ و دہلی دونوں سے دور ہیں مگر مضافاتِ اودھ سے ضرور ہیں۔ دیکھیں کس کی ہمت ہمارے احسان

کا معاوضہ کرتی ہے۔

معاوضہ کے لئے مٹھی گرم ہونگی یہ تمہید نہیں منتخب اشعار کی ضرورت ہے دیکھیں کس چوٹی کے شعر ہمیں کون بھیجتا ہے۔ اس میں کہنے والے اور کلام اساتذہ و متاخرین کے منتخب کرنے والے دونوں آگئے درج اشعار میں رعایت نہ ہوگی۔ فرمانروائے رامپور سے سخنداں و قدر دانِ گلکدہ کے شعر جو انتخاب میں آئیں گے وہی لکھے جائیں گے۔

کوئی چیں بہ جبیں ہو تو ہم بھی بلا کے نازک مزاج ہیں ہاں اتنی گنجایش ہے جہاں موقع نظر آئے ہمارے مذاق کی بھی اصلاح کی جائے۔

یورپین مذاق کے لوگوں کے لئے ہم وہ بات کریں گے جس سے پیچھے جھوٹوں کے آگے رومرینگے۔ تصاویر شعراء کا بھی بندوبست بہت جلد شروع ہوگا بزرگانِ ہند نے اس کا خاکہ رکھا نہیں چربہ اتارنا پڑے گا اس میں ذرا گرہ کھو لنے کی ضرورت ہے اس لئے معاونوں کی مد بڑھی کیونکہ نام وری مفت کام کی نہیں۔ اب لگے ہاتھوں یہ بھی سن لیجئے۔ اول مد معاونین کی ہے جن کی فہرست اسماء ہر پرچہ کیساتھ رہیگی ان سے قیمت مرتبہ کے موافق صرف رہا ہوا رتک ہے۔ دوسری مد معمولی قیمت کی سالانہ پیشگی سے سالانہ مابعد نہ کوئی دیگا نہ ہم لینگے۔ پیشگی روز افزوں رہیگی اور جو گانٹھ کے پورے دو چار ایسے نکل آئیں گے تو سبحان اللہ۔

چشم ما روشن و دلِ ماشاد

میعاد پیشگی تین ماہ۔ تیسری مد اشتہار صفحہ اول سے ہے۔

جو واقعی شاعر ہیں یعنی مفلس بھی وہ آمدنی کے حساب سے دیں۔ جن سے کچھ نہیں ہو سکتا ان سے کچھ نہیں مگر وہ شاعر ضرور ہوں یا مذاقِ سخن رکھتے ہوں ورنہ بھینس کے آگے بین ایسے کی خریداری بھی بری — تفصیل مضامین بھی سن لیجئے۔ منتخب متقدمین دو ورق۔ متاخرین دو ورق۔ طرح غیر طرح دونوں کے لئے قید نہیں۔ صاحبانِ اخبار کا شمار خریداروں میں ہوگا صرف ایک روپیہ رعایت۔

معاونوں کے لئے قصائد مدحیہ بھی درج ہوتے رہیں گے غرض یہ ہے کہ ان دولت کے کھلونوں سے مٹھی گرم ہوتی رہے۔

وضع سے گو ہم ہوئے سب میں سبک

پھر بھی بارِ خاطرِ احباب ہیں

گلکدۂ ریاض کی خاص خوبی یہ تھی کہ انتخاب شعر کی پابندی اس سختی سے کیجاتی تھی کہ بعض پرچوں میں امیرؔ سے استاد کامل کی غزل کا صرف ایک ہی شعر چھپا ہوا نظر آتا ہے۔

منشی امیر احمد کے متفرق اشعار کا مجموعہ "گوہر انتخاب" سب سے پہلے "آب گوہر" کے نام سے بطور ضمیمہ اسی گلدستہ میں شایع ہوا۔ کچھ دنوں میر تقی میر کے کلیات کا انتخاب اس میں نکلتا رہا رسالہ "معیار" لکھنؤ نے ایک مقررہ قافیہ کے تحت میں کلام شعرار کی اشاعت کا جو طریقہ بعد میں اختیار کیا اس کی ابتدا بھی گلکدۂ ریاض سے ہوئی جیسا کہ حصّہ سوم (اس وقت تک نمبر کو حصّہ لکھنے کا رواج تھا) جلد ۶ مطبوعہ مارچ ۱۸۸۸ء میں طرح کی غزلوں کے بعد آخر میں

لکھا ہے۔

گلکدہ ریاض کا دوسرا صفحہ اعلانات و تصحیح و رسید زر کے لئے خاص تھا تیسرے صفحوں پر خبروں کا خلاصہ۔ مشہور نعت گو مولوی محمد محسن صاحب کاکوروی اس زمانہ میں مین پوری میں وکالت کرتے تھے آپ نے بہ لطفِ خاص اپنا نو تصنیف مشہور قصیدہ موسوم بہ مدیح خیر المرسلین گلکدہ کو اشاعت کیلئے مرحمت فرمایا تھا۔ اس قصیدہ میں ایک شعر غلط قافیہ کے ساتھ کاپی کے پیتھر سے کاغذ پر جا چکا تھا لہذا صفحۂ خاص متذکرہ پر حسب ذیل تصحیح ہوئی اعلان کیا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل مصرع ؎

سر جھکائے ہوئے سجدہ میں سلیماں و نمل

قصیدہ سے خارج کیا گیا۔ نمل بہ فتح میم غلط بہ سکون صحیح۔

۱۳۔ ریاض الاخبار

اے عندلیب رنگ ہمارا اڑائیو
تقلید میں بھی تارہے ایجاد کا مزا

ریاض الاخبار نے اپنے طرز و لٹریچر میں جو اعلیٰ درجہ کی نمود حاصل کی ہے وہ اس لائق ہے کہ زمانہ کو اس پر ناز ہو۔ شاہد پرستانِ سخن سے اس کی قدر پوچھئے اور جو عروسِ مذاق کے نکھار پر مٹے ہوئے ہیں ان کے دل ٹٹولیے۔ شوخیوں نے ہر چند ابھی تیز چٹکیاں نہیں لی ہیں پھر بھی ہلکے ہلکے نیلے سایہ نظر آرہے ہیں چٹکیوں نے چھبتا ہوا اثر نہیں ڈالا ہے پھر بھی

کس مزے سے گدگدی اٹھ رہی ہے۔ سامان وہ فراہم ہوے ہیں کہ طاوس مینا کے رقص کے عوض اس کے ورق کھلے بھلے معلوم ہوتے ہیں پہلو میں سمٹنے والوں کے عوض دستِ شوق کو اس کا لگاؤ اچھا معلوم ہوتا ہے ناٹک کی وہ دھوم مچی کہ ہنگامہ محشر سمٹ کر یہیں آرہا ہے۔ ناول کی شہرت کا وہ شور رہا کہ حشرستانِ تمنا گونج اٹھا جنھیں شعر و ادب سے لگاؤ تھا وہ اس کی پرستش کرنے لگے جنہیں سائنٹفک و پولیٹکل مضامین کی چاہت تھی وہ اس پر مر مٹے۔

اس پرچہ کی خواہش ہے کہ اپنی حالت کو اپنے حوصلہ کے موافق سنبھالے۔ وہ بات پیدا کرے کہ ملک کو اس کے اندازہ کی وقعت سے فخر حاصل ہو اس لئے قوم کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ ولمے درمے سخنے اعانت سے محروم نہ رکھے اور اپنی آبیاری فیض سے اس کی امنگوں کے ہونہار پودے مرجھانے نہ دے سے

دلِ بیتاب کا سنبھلنا کیا
دیکھو تو پیار کی نگاہوں سے

(۱) زرین کالم

ریاض الاخبار نے خوش معاملہ اور نادہند خریداروں میں امتیاز کی ایک عجیب روش زریں اور تاریک کالم کے عنوان سے نکالی تھی۔ یہہ لطیفہ بھی انہیں کی زبان سے سننے کا ہے۔

دنیا میں وہ حضرات بھی ہیں جن کے نام خاص کالم کے نذر کیے جاتے ہیں

اور کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ساتھ ہی بعض ایسے بھی ہیں جو اشخاص مندرجہ خاص کالم کی تیغِ تغافل کے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے نام جس کالم میں درج ہوں اس کو "زرین کالم" سے تعبیر کرنا مناسب ہے

کام آتی ہے حسینوں کے کمائی میری
جو مجھے دیں میرے اللہ خزانے پائیں

جو لوگ اخباری دنیا سے بہ اعتبار دلیسی مذاق کے واقف ہیں وہ زرین کالم کی جدت کو بہت ہی نگاہِ قدر سے دیکھینگے ۔ ہم نے آیندہ کے لئے پسند کیا ہے کہ خاص کالم کی ترمیم سیاہ کالم سے کردیں اور وہ سیاہ کالم زرین کالم کے دوش بدوش رہے کہ ..... قدمے فاصلہ دارد کا مضمون صادق آئے۔

۲۔ سیاہ کالم

لائے خدا ہی اس بتِ ظالم کو راہ پر
چھائی ہوئی ہے بے اثری روئے آہ پر

وہ نادہند خریدار جن سے ہر طرح مایوسی ہوچکی تھی ان کے نام معہ تعداد بقایا تاریک کالم میں درج کرکے ہم نے اپنی حالت کو ان کے رحم پر چھوڑ دیا ۔ ان میں سے ایک خدا کا بندہ ایسا تھا جس نے ایک منّت پچاس کی رقم جو باقی پڑ گئی تھی ادا کردی۔ دو ایسے نکلے جنہوں نے وعدہ کرکے نام تو اس کالم سے نکلوا لیئے مگر انک قیمت نہ ادا کی ۔ مجبوراً تکلیف رساں مراسلات سے بچنے کو پھر ان کا حساب کسی قدر انتظار کے بعد درج کردیا

جائیگا مگر افسوس بہت بڑی تعداد ایسے خریداروں کی ہے جو ادائے قیمت میں بہت ہی ضرورت ناشناس واقع ہوئے ہیں۔ لہجہ بدل بدل کر ہم نے ان سے گفتگو کی مگر کسی طرح اثر نہیں ہوتا۔ سب سے آسان تدبیر ادائے قیمت کے لئے ویلو کی تھی پہلے اطلاعی خط بھیجدیا پھر ہلکا سا ویلو جس میں دس دن کی گنجائش بہ ایں ہمہ وہ بے پروائی کہ فیصدی دس بھی وصول نہیں — اخراجات کی وہ حالت کہ وقت ٹل ہی نہیں سکتا۔ ہم چاہتے ہیں جو آسان سے آسان طریقہ ادائے قیمت کا ہو وہ اختیار کیجئے کم سے کم ماہوار تعداد کا ویلو طلب کرتے رہیئے یہ بھی ناممکن ہو تو جھوٹے وعدوں سے تسکین دیتے رہیئے۔ اتنا کیجئے کہ ہمارا کام چلتا رہے اخباری خوبیاں بڑھنے میں رکاوٹ نہ ہو مگر

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

(۳) پوتڑوں کے امیر کا کیا کہنا

مثل ہے ہاتھی لاکھ گھٹ جائے جب بھی سونے کے سوا لاکھ ٹکے کا۔ اس لئے کہا جاتا ہے بڑوں کی بڑی بات ہم کو یاد آتا ہے نواب لائق علی خاں مرحوم وزیر دکن نے شاید مستعفی ہونے پر یا اس سے پیشتر ریاض الاخبار کو اطلاع دی کہ وہ ان کے نام بند کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی باوصف اس کے کہ مطالبہ میں چار ہفتہ کی قیمت سے زیادہ نہ تھا پورا چندہ بھیج دیا اب انکے واسطے امیر ابن امیر کا لفظ کیونکر نہ استعمال کیا جائے۔

ایک ہمارے ..... تواز خنگ ہیں یا ان کے دوسرے ساتھی مشعل علی کے پوت
کہ کس درجہ سے کس مرتبہ پر پہنچے ۔ آنکھ کھول کر روپیہ پیسہ تو دیکھا نہ تھا
چند روز کے بعد دولت جو پھٹ پڑی تو کوڑی کوڑی دروندان سے
پکڑنے لگے۔

اعلیٰ درجہ کی تہذیب وصحبت نے اتنا تو اثر کیا کہ خیال معاملہ کی صفائی کا
آنے لگا گو اخبار والوں کے ساتھ جھوٹے ہی دل سے کیوں نہ ہو اس لئے
حساب تو دس دس بار طلب ہوتا ہے مگر روپیہ کسی طرح دل سے نہیں نکلتا۔
ہمارے دوست ادیب جب آپ کے ہاں کارکن ہوئے تو پھر حساب طلب
ہوا اور اس تحریر کا جواب بھی ملا اعلیٰ درجہ کی قیمت نہ دی جائیگی ہاں ہاں
صاحب آپ کے دشمن دین اعلیٰ درجہ کی قیمت تو اعلیٰ لوگوں سے ہے آپ
بیچارے غریب گھرانے کے گو ڈیوڑہی پر اب ہاتھی جھوم رہے ہوں اعلیٰ
درجہ کی قیمت دینا کیا جانیں۔ جواب گیا بہت خوب ۔ بڑھتی کی دعا مانگنے
والے یوں بھی خوش ہیں دو چار ہفتہ تک خاموشی رہی مجبور پھر حساب چلتا
گیا ادنیٰ درجہ کی قیمت بمد مابعد طلب کی گئی بس "مابعد" کی چٹکی نے پھر چونکایا
ارشاد ہوا اس سرکار میں پیشگی قیمت دینے کا دستور ہے اللہ رے گھرا پن
حالانکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ دس برس کے بعد بھی قیمت دیجائیگی تو بھی
پیشگی کے حساب سے۔ ہم نے بھی کہا خیر یوں ہی سہی کون اب ان سے ٹھائیں
ٹھائیں کرے جبراً قہراً لکھ بھیجا

آپ کی یوں ہی خوشی ہے مہرباں یونہی سہی

اس کے بعد پھر سانس ڈکار نہ لی۔ سننے میں آیا خود بدولت ولایت کی ہوا کھا رہے ہیں۔ ولایت سے پھرے پھر بھی ہماری قسمت نہ پھری۔

۱۴۔ فتنہ وعطر فتنہ

اشتہار فتنہ کے ساتھ ہی اس کے نام کی وہ خدا داد شہرت ہوئی کہ قیامت کو بھی نصیب نہیں۔ شائقین اتنا بھی انتظار نہ کر سکے کہ اس نمونۂ قیامت کو دیکھ تو لیں۔ منی آرڈر۔ پوسٹل نوٹ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے مطبع میں گویا ہن برسنے لگا۔ جب فتنہ شایع ہوا تو اور بھی قیامت برپا ہوئی جس وضع وصورت سے یہ نکلا کسی کے ذہن وخیال میں بھی نہ تھا۔ ہمیں مدت سے ظریف پرچہ کے نام کی کد تھی ہزاروں نام اس رنگ ڈھنگ کے تجویز کیے کہ اب بھی لوگوں کو بتا دے جائیں تو نام کی وجہہ سے صدہا پرچہ اشاعت پائیں۔ یوں تو ہر شخص نام رکھ سکتا ہے مگر واقعی نام رکھنا ہے بہت مشکل نام ایسا ہونا چاہیئے کہ بے پوچھے تمام حالات ظاہر کر دے یہ بات نصیب ہوئی تو فتنہ ہی کو ہر شخص نام ہی سے سمجھ گیا کہ اس مذاق و وضع وصورت کا ہوگا پھر تو بہت سے لوگوں کو دھن سمائی یہاں تک کہ کتنے نام کی تلاش میں تنکے چننے لگے۔ فتنہ کی اشاعت کے بعد تو ظریف اخباروں کے نام کے لئے کچھ اور ہی مذاق پیدا ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ پاٹے خاں۔ ملا دو پیازہ۔ جعفر زٹلی۔ عمرو عیار۔ بیربر۔ ملکی شہدا اور خدا جانے کیا کیا۔

فتنہ کے اشتہار میں تھا کہ فتنہ کبھی کبھی قیامت بنکر نکلا کریگا ہمارے ایک لکھنوی دوست کو سوجھی کہ قیامت نام اچھا ہے لاؤ رکھ دیں ساتھ ہی خیال ہوا فتنہ اشتہار دے چکا ہے جھٹ بدل کر "محشر" نام رکھدیا۔ دو دن کا شوق تھا ہو لیا ہمارے لٹریچر کی تقلید میں مضامین تو وہ دہوم دھام کے لکھے کہ شاید ہم سے بھی نہ بن پڑیں مگر وہ سب دو دن کی چاندنی تھی اب تو آوازِ صور سے بھی محشر صاحب چونکنے کے نہیں!

ان کے ایک پڑوسی نے اور بھی ستم ڈہایا کہ قیامت نام پرچہ کا اشتہار دیدیا ہم نے ہتے پر لڈو کا تو بہت بھنائے لیکن آج تک اشاعت کا اہتمام ہی نہ ہوسکا۔

میاں لسین نے ہتوکوں ستوسان کر ایک پرچہ جاری کیا تھا جس کو نام کی چوری کی علت میں کئی مرتبہ نام بدلنا پڑا یہہ دل جلے مہربان جب سید پور سے شہر باہر ہوئے تو مالک اخبار نے اس کا اہتمام کسی دوسرے کے گلے لگادیا انھوں نے کیا کام کیا "محشر-قیامت" سب چھوڑ کر خاص فتنہ و عطر فتنہ کا اشتہار دیدیا یہہ بہت خاصہ رہے لیکن آدمی بھلے مانس جب ہم نے اطلاع دی تو معذرت کی اور پھر نام نہ لیا۔

یہانتک تو خیریت تہی ہمارے دوست حکیم غلام رضا صاحب مالک اخبار سرور قیصری کی کیفیت سنئے آپ نے فتنہ کی تقطیع کا ایک ظریف پرچہ نکال دیا۔ کاغذ بھی رنگین اور ۱۶ صفحہ بھی فرق ہے تو تصویر و لوح میں ـــ فتنہ کی وضع و صورت کی تقلید کرنے والوں میں پہلے شخص یہی ہیں

انہیں گو کچھ پرواہ نہ ہو مگر ہمیں تو شرم آتی ہے پھر نام کتنا سڈول "مذاق کا تپلا" (رامپور) نام مضامین سے بڑھکر اور مضامین نام سے بڑھکر۔ اچھا فتنہ کی تقلید میں پہلا نمبر تو ان کا رہا دوسرے نمبر میں اخبار "موج نربدا" کے مالک ہیں انہوں نے "موجِ ظرافت" کا اشتہار دیا ان الفاظ کے ساتھ

۲۰ مئی ۱۹۰۸ء سے موج ظرافت نام ایک ننھا سا اخبار ٹھیک

"فتنہ" کے مطابق ہمارے اخبار کیساتھ شایع ہوگا۔

اگر کوئی کہے کہ تقلیدِ فتنہ میں آپ کا کیا اجارہ تو ہم کہینگے کچھ بھی نہیں۔ پھر یہ مضمون آرائی کیوں ؟ صرف اس لئے کہ ہمارے اس دعوی میں فرق آیا جس کا ہم نے اشتہار دیا تھا یعنی فتنہ روئے زمین کے اخباروں سے نرالے رنگ ڈھنگ نئی وضع قطع کا ہے گو اشتہار سے آئندہ یہہ الفاظ نکالنا پڑے مگر ساتھ ہی اس کے خوشی بھی ہوئی کہ عام شائقین کے سوا ہمارے ہمعصروں نے بھی قدر و اعزاز کی نگاہوں سے ہمیں دیکھا اور عدیم النظیر فتنہ کی تقلید کو عار نہ سمجھے بلکہ کامیابی اور شہرت کا ذریعہ جانا ؎

آے اسے دیکھا اسے جھانکا اسے تاکا
اک آنکھ میں حاصل ہے تماشہ دوسرا کا

(۲)

سرمۂ مفت نظر ہوں میری قیمت یہہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

خدا کے لئے سرخی دیکھکر یہہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ قیمت کے تقاضہ کا نوٹس ہے

وہ کون ایسی بڑی قیمت ہے جس کے تقاضہ کی ضرورت محسوس ہو اور آپکو دینے میں تامل ہو۔

آمدم بر سر مطلب قیمت سے ہمارا مطلب تقاضہ نہیں کوئی شکایت بھی نہیں ہم چشمِ خریدار پر احسان بھی رکھنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے قدر دانوں کے شکر گذار ہیں

والیانِ ریاست میں نواب صاحب بہادر جاورہ کا نمبر قدر دانی میں اول رہا۔

یورپین فاضل جس جوشِ مسرت سے ہمارا نظارہ کرتے ہیں ہم ان کی قدر افزائی کے ممنون ہیں۔

نازنینانِ پری تمثال کے منہہ میں پانی بھر آیا ہوگا کہ شاید ہمارا بھی نام لیا جائے ان کافروں کا شکر گذار ہونا فرشتوں کو گھر دکھانا ہے۔

فتنہ کمبخت تو ایسی چیز ہے کہ پہنچنے میں ذرا دیر ہوئی اور اس کے مشتاق بیتاب ہوئے اب خط پر خط علیحدہ آرہے ہیں رجسٹری پر رجسٹری علیحدہ۔

یہہ تو آئے دن ہوا ہی کرتا تھا گذشتہ ہفتہ میں ایک صاحب تاریخ پر فتنہ نہ پا کر اس طرح بیتاب ہوے کہ دوسری تاریخ کا انتظار نہ کر سکے اور تار دیدیا — فتنہ کی سالانہ قیمت ۱۴ ؍ اور ایک پرچے کے لیے تار کا صرف عہ ؍

بیشک پرچہ ہو تو ایسا ہو اور شائق ہوں تو ایسے ہوں۔ یہہ لوگ ہیں کہ ہمکو فتنہ سے بھی زیادہ عزیز ہیں ؎

ہو گیا پرتو رخسار سے کچھہ اور ہی رنگ
میں نے منہہ چوم لیا تیرے تماشائی کا۔

امید ہے کہ سرخی کو حسنِ طلب سمجھنے والے اپنی سمجھہ کو زیادہ وسیع کرینگے

یہہ ہمیں ہیں کہ پیسے لیکر اشرفیوں کا سودا دیتے ہیں اور ہمارے ہی واسطے کہا گیا ہے

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

۱۵- گلچیں

چن لینگے کوئی شاخ بنا لینگے نشیمن
ہم تو ابھی گلشن کی ہوا دیکھ رہے ہیں

ہمارا مدعا یہہ ہے کہ "گلچیں" کے دست و دامن سے پچھلے زمانہ کی طرح پھر کچھ کام لیں۔

گلچیں کا مشغلہ ہر اعتبار سے ایسا ہے کہ حسن و عشق کی زندہ تصویریں بھی پھلے پھولے چمن زاروں میں لب بستہ شگوفوں اور مسکراتی ہوئی کلیوں کی طرف ہاتھ بڑھا دیتی ہیں یہاں تک کہ منقار بلبل بہار میں پنکھڑی یا پھول کے لئے خود شاخ گل بنجاتی ہے۔

عشق گل کے لحاظ سے بلبل کی دیوانگی تو فرزانگی کا حکم رکھتی ہے لیکن وہ لوگ جن کی دیوانگی کا تعلق رخسار کے پھول اور زلفِ سنبل سے ہے اس مشغلہ کے لئے بلبل سے زیادہ سودائی اور بے قرار سمجھے جاتے ہیں۔ جوشِ گل کی انبساط آفرینی سوداز دگانِ بہار کی زبان سے بے اختیار نکلوا دیتی ہے

خوب ہنستے بولتے گذری جنوں میں فصلِ گل
خندۂ گل بن کے ہم شورِ عنادل میں رہے

کہنے والے کو بائسکوپ کے فلم کی پھول پری بننا مشکل تھا۔ نہ یہہ امکان تھا

کہ پھول نہ کہ وہ کسی نازک سی شاخِ گُل کا ہو رہے۔ جن میں قدرت نے غنچہ وگُل کے برابر اہلِ جنوں کو بھی حصّہ دیا ہے اس لئے جوشِ انبساط سے وہ سراپا خندۂ گُل بن کر دیوانگانِ گُل میں رہنے کے لئے مجبور ہوا ہے۔
— دوسری جگہ بھی سوداز دۂ بہار ان الفاظ میں نواسنجی کرتا ہے۔

گُل کھلانے باغ میں اس حسن سے آئی بہار
شاخِ گُل کا حسن منقارِ عنادل میں رہے

کثرتِ گُل کے شوق نے ممکن ہے منقارِ بلبل ہی کے لئے دعائیہ اظہارِ آرزو کی تحریک کی ہو۔ یا یہ خیال ہو کہ دعا شرفِ قبول کا ہار گلے میں ڈالے تو خود ہمہ تن داغ داغ ہو کر سراپا شاخِ گُل ہو جانیکی تمنا کرے۔ ہمہ تن داغ داغ کی مناسبت بھی شاخِ گُل ہو جانے کے لئے اثر سے ساعی ہو سکتی ہے اور قدرت کی نیرنگیاں بھی ایسے ہمہ تن داغ داغ کے لئے مائل بہ رحم ہو سکتی ہیں مشغلۂ گلچیں کے ذکر کی دلچسپی ہم نہیں جانتے ہم کو کہاں لیگئی۔ بیٹھے تھے کیا کہنے کہہ کیا چلے

ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

آپ سمجھے یہ از خود رفتگی و لغزش کیوں ہے اور بے ساختہ زبان پر یہ مصرع کیوں آیا۔ جو کافر چیز ساغر میں ہے اسے بھی تو "پھول" کہتے ہیں۔ آپ نے سنا ہو گا۔

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

دخترِ رز کے دلدادہ اس کو پھول کہنے کا سبب کچھ بتائیں مگر واقعی امر

یہہ معلوم ہوتاہے کہ رنگ و بوئے گل کی پاکیزگی - دلفریبی - نزاکت اور اس کا خدا داد حسن اس کا باعث ہوا ہے کہ انتہائی مست و بیخود کردینے والی چیز - پھول ہی کے نام سے موسوم کردیجائے
واقعی ہر پھول مئے کوثر کا نازک ساغر ہے - ہمارا ٹھرا ہو یا کشید پیرس و ویز نگال کسیکو پھول سے نسبت نہیں ہوسکتی -
مشغلۂ گلچینی کی از خود رفتگی و لغزش سے ہم نے سنبھلنا چاہا تھا کہ مطلب کی بات کہیں مگر کمبخت سرور آفریں کا نام زبان پر آتے ہی معلوم ہوا کہ حلق سے اتر کر رگ رگ میں سرایت کرگئی پھر بہکے اور برے بہکے ؎

دیکھا کیئے وہ مست نگاہوں سے بار بار
جب تک شراب آئے کئی دور ہوگئے

ہم کو کہنا یہہ ہے کہ مشغلۂ گلچینی محض تفریح و دلچسپی کے لئے بھی معشوق کا رنگِ محفل اور بہار گل کا حسن و حاصل اپنے دامن کی طرح اپنی مٹھی میں رکھتا ہے نہ کہ جب ضرورت کا بھی تقاضہ ہو -

بہت تھا ایک چھوٹا سا چمن زار
جنوں ہم کو جو صحرا میں نہ لاتا

وقت کم کاغذ دفتر سے زیادہ قیمتی اس لئے آج کی بات کل پر اٹھائے رکھتے ہیں

خدا کرے کہ مزہ انتظار کا نہ مٹے
میرے سوال کا وہ دیں جواب سو نئیں

(۲)

اثرؔ فلک سے اتر آ ذرا خدا کے لئے
کہ اس نے ہاتھ اٹھائے ہیں اب دعا کیلئے

یہہ شعر تو ہے نواب خلد آشیاں کلب علیخاں بہادر کا مگر بہ ضرورت ہم کہتے ہیں

کہ ہم نے ہاتھ اٹھائے ہیں اب دعا کیلئے

اس موقع پر یہہ پرانا شعر بھی دعا کے لئے برا نہیں ہے ؎

کام آتی ہے حسینوں کے کمائی میری
جو مجھے دیں میرے اللہ خزانے پائیں

شعر کے لحاظ سے اتنا کہدینا ضروری ہے کہ جوانی کے زمانہ میں کہنے والے کا خیال غالباً یہہ ہوگا کہ حسینوں سے ایسا سلوک ثواب کا ذریعہ ہو یا نہ ہو مگر گناہ نہیں ٹہر سکتا اب ضرورت زمانہ انحطاطِ عمر بلکہ شیخوخیت نے اس خیال کی بھی اصلاح کردی ہے۔ عطا کرنے والے حضرات مطمئن رہیں کہ راہِ ثواب کے سوا اب کوئی غلط جادہ نہیں ہوسکتا ؎

اثرؔ ہے توبہ کا یا عمر کا تقاضہ ہے
کئے ہوئے بھی گنہ آج ہم کو یاد نہیں

کچھ اور عرض کرنا ہے

ہزاروں قسمیں کروروں بہانے لاکھوں عذر
بڑے جلوس سے جھوٹوں کے بادشاہ ملے

یہہ تو ہم کہینگے نہیں عنوانِ شعر کو کس سے تعلق ہے صرف یہہ عرض کرینگے

کہ گلچیں کا ڈکلریشن دسمبر میں داخل کردیا گیا تھا مگر محکمہ کے کاروباری تعویقات کا یہہ نتیجہ ہوا کہ جنوری میں شائع ہونے والا پرچہ آخر فروری میں شایع ہورہا ہے — ابتدا کسی چیز کی وقت سے خالی نہیں ہوتی آئندہ اگر آسانیاں پیدا ہوتی رہیں تو انتظار کی گلہ مندانہ صعوبت از یاد رفتہ ہو جائیگی۔

برائی سے کبھی بھلائی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ تعویقِ اشاعت میں یہہ فائدہ ضرور ہوا کہ کلام زیادہ آیا اور زیادہ اچھا آیا

شبِ وعدہ کو کئی کافر رات گذار کر انتظار کی ناگوار صورت کو تلخئ نزع بنا کر — صبح کے جھٹ پٹے میں ساعت کی ساعت رفع شکایت کے لئے گھڑی سواری آئے اور حسنِ اتفاق سے سہانی صبح کی شفق کو رخ روزِ وصال کا گلگونہ بنا کر دن ہمارے ہی کاشانۂ عیش میں تمام کرے۔ اس سے اچھا معاوضہ گذری ہوئی شبِ انتظار کا کیا ہوسکتا ہے

آئے ہیں صبح کو شبِ وعدہ گذار کر
بڑھکر شبِ فراق سے دن ہے وصال کا

گلچیں کی تعویقِ اشاعت بہ اعتبار افزونی و عمدگی کلام ہمارے لئے یہی اثر رکھتی ہے۔ جو شعراء وقت پر کلام نہیں بھیج سکے تھے وہ بھی پہلے نمبر کی طرح میں شریک ہو گئے اور آیندہ طرح پر فکر کے لئے ان کو زیادہ موقع اور وقت مل گیا اب وہ چاہے عرش کے تارے توڑیں چاہے سمندر کی گہرائی سے انمول موتی نکالیں۔ گلچیں کا دامن تاروں بھرے آسمان کا ٹکڑا بھی بن سکتا ہے اور دامن کا ہر تار انمول موتی کی لڑی بھی آیندہ کے لئے

طرح کا مصرع درج کیا جاتا ہے۔ ؎

مہرباں آپکا احساں میرے سر آنکھوں پر

۱۶- نظارہ

صاحبو۔ وہ شخص جس کی محنت ٹھکانے لگے بہت خوش نصیب سمجھا جاتا ہے ہم نے بھی نظارہ کی جلد پوری کی اور اس محنت سے کہ ہمیں جانتے ہیں لیکن ابھی ہم اپنے لئے یہہ نہیں کہہ سکتے کہ محنت ٹھکانے لگی ــــ

حرم سرا میں بھی ہم نے خونِ جگر کے رنگ کی شوخی دکھائی ہے وہ شوخی جو دلوں میں زخم لگائے نمک بھی چھڑکے۔ دیکھنے والے پکار اٹھے کہ گلرخوں کا رنگ پریدہ طائرِ تہہ دام کی طرح انہیں نقش کشیدہ صفحوں کے لبس میں ہے۔ رنگ خوبول اٹھا کہ میں غنچہ دہنوں کے گلِ رخسار سے اڑ کر بلبلِ تہہ دام نبا ہوں ــــ حسنِ قبول سے اس نے وہ شہرت پائی کہ طبعِ ثانی کی نوبت آئی مگر اس کے جمے ہوئے رنگ نے ہم کو مٹا یا۔ اس پر جمی ہوئی نگاہوں نے "نظارہ" کے دیکھنے میں کمی یا خطا کی اس لئے ہم کو کہنا پڑا کہ ہم ابھی نہیں کہہ سکتے ہماری محنت ٹھکانے لگی۔

ہاں سالِ اول کی جلد پوری ہو جانیسے اب ہم کو یہہ آرزو کرنا پڑی ہے کہ دیکھنے والی نگاہ پیدا کریں دیکھیں کہ خونِ جگر کی رنگت جس طرح اس میں بھری ہے وہ سادگی کی تہہ میں کس طرح چراغ تہہ دامن ہو رہی ہے ــــ ہائے وہ رنگِ رخ گلگوں جو بے پردہ ہو کر رسوا بھی نہ ہو اور نقاب سے پھوٹ بھی نکلے۔

حرم سرا اگر بھڑکی ہوئی آگ ہے تو یہہ ٹھنڈی روشنی اس لمپ کی ہے جو رنگین گلوب میں ہو۔ ویسی ہی دل آویز بھی خوشگوار بھی جیسے معشوقوں کی دکھتی ہوئی آنکھیں سکیں جو شب عیش میں آنیوالی نیند کے لئے سہانے وقت کو اور بھی خوشنما بنا دے۔

اب موقع ہے کہ دیکھنے والے ہماری محنت سمجھہ سکیں پہلے تو شاید آئندہ کیلئے اعتبار نہ بڑھا ہو مگر اب تو ہم سے منحرف مدعیانِ سخن بھی کہہ اٹھینگے کہ اس رنگ پر ہم نے کہاں تک قابو حاصل کر لیا ہے۔ ہمارا خیال تو یہہ ہے کہ انگریزی عمدہ ناولوں کا ترجمہ گو کیسی ہی زبان میں کیوں نہ ہو نفسِ مطلب کے دیکھنے ہر ایک کے لئے قابل قدر مشغلہ ہے خصوصاً جب صاف ستھری زبان اور پاکیزہ بول چال میں ہو۔ پھر کس کی زبان میں عورتوں کی زبان میں کس قید کے ساتھ کہ بھولے چوکے اضافت بھی نہ آئے فارسیت کے اعتبار سے ان الفاظ کی بھی آمیزش نہ ہو جو بعض کی زبان پر ہیں۔

بیشک بول چال میں بعض لکھنے والوں نے اچھی داد پائی ہے لیکن انصاف شرط ہے اپنی ہی گڑھی ہوئی حکایتیں ان میں بھی گھر کے دہندے اور وہی باتیں جو ساس بہو میاں بیوی میں ہوتی رہتی ہیں — اب ہماری مشکلوں کو دیکھیے کہ ہماری زبان جب تراجم کے لئے خود ہی محدود ہے تو عورتوں کی زبان کا کیا ٹھکانا پھر اس زبان میں ترجمہ اور ترجمہ بھی کسکا رینالڈس کے ناول "مس ایلین پرسی" کا جسمیں لندن کے وضعدار امرا کے مختلف خیالات وہ بھی ناٹک اور تھیٹر کے مذاق میں۔ ہر جگہ نئے معاملات نتیجہ خیز تجربے!

ان تمام دقتوں اور مشکلوں کے ساتھ فرصت اس قدر معدوم کہ نظر ثانی تو کیا کاپی کی صحت بھی بہت مشکل ہے —— اب محنت تو جب ہی ٹھکانے لگے کہ ملک داد دے۔ اے تو بہ داد نہیں وہ شے جس کا نام سنتے ہی مفت کا اشتہار بھی دیکھنا لوگ پسند نہ کریں

زر می طلبی سخن در نیست

مگر ہم تو اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے کہ ایک جلد لیجئے اور اس خیال سے اس کی قیمت دیجئے کہ لکھنے والوں کا حوصلہ بڑھے تاکہ عمدہ ناولوں کا ذخیرہ ہماری زبان میں آجائے۔

یہہ سچ ہے کہ چند روز سے مختلف پریس ناول نکالنے لگے ہیں جن پر مضمون ذیل صادق آتا ہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

اسکے لئے ہم آپ سے صرف نگاہِ امتیاز چاہتے ہیں اور کچھ نہیں! ہاں دیکھیے قیمت دیکھکر یہ نہ کہہ اٹھئیگا ؎

شکل اچھی تھی مگر دیکھ کے ہمت نہ پڑی
مال اچھا تھا مگر دام لگائے نہ گئے

بعض یادگار ادبی معرکے

(۱)

مجدد الوقت جناب شوکت میرٹھی نے اپنے رسالہ "پروانہ" میں ایک بار حضرت امیر مینائی مرحوم اور مرزا اسد اللہ خاں غالب مغفور کی چوری پکڑی تھی اس کے بعد داغ اور جلال کے کلام کو مہمل بتاتے ہوئے حضرت ریاض کی فکر کو قابل اصلاح قرار دیکر تحریر فرمایا تھا۔

حضرت ریاض خیر آبادی ماشاء اللہ چلبلی طبیعت رکھتے ہیں

اور استادوں میں سے ہیں ان کا شعر ؎

لہو بیکس کا مقتل کی زمیں پر

نہ دامن پر نہ انکی آستیں پر

بہت خوب ہے۔ حسرت بھرا مضمون ہے — ایک اور شعر

کوئی منہ چوم لیگا اس نہیں پر ؛ شکن رہ جائیگی یوں ہی جبیں پر

خاصہ ہے مگر مصرع اولیٰ میں (اس) حشو ہے اگر ہماری تجدید تسلیم کی جائے تو ہم مضمون کو بلند کردیں۔ لیجئے ؎

کوئی منہ چوم لیگا اس نہیں پر

دھری رہجائیگی چیں طاقِ جبیں پر"

اس کے جواب میں حضرت ریاض کی تحریر ملاحظہ ہو جو طنز نگاری کی بہترین مثال ہے
کوئی شکریہ ادا کرے یا نہ کرے ہم دل سے ان الفاظ کے لئے شکر گذار ہیں
جو ہمارے مرتبہ سے کہیں زیادہ ہمارے لئے فیاضانہ صرف کئے گئے ہیں
اپنے عیب کے قبول کرنے میں تامل کیا البتہ اصلاح عالی سے افتخار حاصل
کرنے میں اس لئے پس وپیش ہے کہ مجدد الوقت کی فکر آسمان پیوند نے اسکو
اس قدر بلند کر دیا ہے کہ وہ ممدوح کے سوا کسی اور کے مرتبہ پر زیب نہیں
دیتیا۔ ہم عطائے تو بہ لقائے تو کہنے کے خواہشگار ہوتے مگر ادب یہ بھی
کہنے کی اجازت نہیں دیتیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

صدقے اپنی درازیٔ قد کے　　　　وہ مجھے بے وقوف کہتے ہیں

ہم بھی اپنے عیبِ کلام پر ہزار بار صدقے کہ ایسا باکار ربفار مر اور ایک ادنیٰ
شخص کے عیبِ کلام کی طرف توجہ!

ہم امید کرتے ہیں جناب شوکت کو آیندہ بھی توجہ رہیگی گو قبولِ اصلاح
میں ہم کو بے جا تعب اور تکلف ہو مگر یہ کیا کم ہے اپنے عیوب سے ہم کو
آگاہی ہوتی رہیگی۔

—— (۲) ——

جناب احسن لکھنوی کے "واقعات انیس" کا تذکرہ کرتے ہوئے میر ناصر علی صاحب
نے "صلائے عام" میں لکھا تھا کہ ہیرو کے خصائل اور اس کا طرزِ معاشرت یعنی
یہ کہ وہ کس وقت سوتا ہے کس وقت جاگتا ہے کیا کھاتا ہے کیا پیتا ہے
وغیرہ کی تفصیل کے بجائے اگر کلام پر وسیع نظر سے تنقید ہوتی اور دبیر سے

موازنہ کیا جاتا تو زیادہ مفید ہوتا۔ صلائے عام کی اس تجویز کو ریاضُ الاخبار نے تائید کے ساتھ اپنے کالموں میں درج کیا جسے دیکھکر جنابِ احسن نے دبی زبان سے اس کی شکایت میں یہ شعر لکھا۔

برمن از جور تو ہرچند کہ بیداد رود
چوں رخِ خوبِ تو بینم ہمہ از یاد رود

ہم پہلے احسن صاحب کے جواب میں میر ناصر علی صاحب کا خط پھر حضرت ریاض کا "قول فیصل" درج کرتے ہیں۔

مکتوب ناصر

مرتا ہوں میرزائی گُل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چونری ہے پنکھا صبا کے ہاتھ

واقعاتِ انیس پر مجھے رشک ہے کہ از روئے لٹریچر اس کی کیسی دہوم مچ گئی ریاض الاخبار میں حضرت ریاض اور جناب احسن کی تحریر بہت پاکیزہ تھی جب ریاض و احسن جیسے سخن رس سخنور باتیں کریں تو پھر مجھسے خاموشی کی امید رندانِ مئے آشام کی توبہ کے برابر سمجھئے ؎

گردن میں ہے کمندِ محبت پڑی ہوئی
جتنے کھنچے حضور میں آگے سرک گیا

جناب احسن کی طرف سے میرے مضمون کا جواب مجھے ریاض الاخبار میں مل گیا۔ انکی تحریر فقط جواب ہی نہیں بلکہ میرے دعویٰ اور امید سے زیادہ ہے میں خوش ہوں کہ کس خوبصورتی سے مجھکو چپ کیا ہے لیکن جیسا کہ کئی بار عرض

گیا گیا "واقعات" کی نسبت محض انشا پردازی وسخن آرائی کے خیال سے لکھا گیا تھا۔ جناب احسن سے مجھے کبھی نیاز حاصل نہیں تھا واقعات کے ذریعہ سے یہہ پہلی ملاقات ہے جس طرح معمولی صاحب سلامت میں ازروئے رسم مزاج پرسی کیجاتی ہے لیکن اس سے یہہ غرض نہیں ہوتی کہ پوچھنے والے کو حلفاً ازروئے قسم بالکل کوئی شکایت نہیں اسی طرح سخن گسترانہ بحث میں بھی کسی بات کا برا بھلا نہیں مانتے اور دستور ہے کہ جہاں دو آدمی ہوتے ہیں تو منہ میں گھنگھنیاں بھر کے نہیں بیٹھتے۔ میری بڑی غرض اس بحث سے یہہ تھی کہ میر انیس مرزا دبیر کی شاعری از روے مرثیہ گوئی دیکھی جائے اور ان دونوں کی خوبیوں کا مقابلہ کیا جائے۔ موازنۂ انیس و دبیر سے یہہ ضرورت پوری ہو جاتی تو میں آپکو تکلیف نہ دیتا۔

اے خوش آں کز ستم عشق تو چوں خوں گریم
بسبب گریہ زمن پرسی و افزوں گریم

اب حضرت ریاض کا قول فیصل ملاحظہ ہو

آج یوں زلف پریشاں کی بلائیں میں لوں
زلف والے یہہ کہیں آپ بناتے ہیں ہمیں

واقعات انیس کے مولف کا عنایت نامہ ہم درج کرتے ہیں۔ ہمارے نوٹ کو قول فیصل سے تعبیر کرتے ہیں اور اس شعر کو ؎

فریاد جنوں اور ہے بلبل کی فغاں اور
صحرا کی نہ زباں اور ہے گلشن کی زباں اور

کچھہ کہتے تو نہیں - یہہ کہتے ہیں

بہ سبب عدم واقفیت زبانِ گلشن شوریدہ مزاج احسن اسی

صحرائی زبان میں آپکا شکریہ ادا کرتا ہے سہ گر قبول افتد زہے عز و شرف

شکریہ ہو یا شکایت ہمیں قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

ہم نے اپنے نوٹ میں یہہ ظاہر کیا تھا کہ صاحبِ صلائے عام کو ادائے بیان میں کس قدر قابو حاصل ہے صاحبِ واقعات اسے قولِ فیصل سمجھے

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

رہی صحرائی زبان اس کے شکریہ اور شکایت کے لئے صاحبِ واقعات کو شعر کا محلِ استعمال دیکھنا چاہیئے تھا تو بہ توبہ وہ گلشنِ لکھنؤ کے رہنے والے صحرائی زبان سے باوجود شوریدہ مزاجی بھی انہیں تعلق نہیں ہو سکتا۔ ہم نے بہ اعتبار انشا پردازی اندازِ بیان کی نسبت یہہ فرق دکھایا تھا کہ صاحب صلائے عام نے جو کچھہ کہا نہایت نرم و دلنشیں لہجہ میں اور صاحبِ واقعات کا لہجہ طبیعت کی بر انگیختگی ظاہر کرتا تھا مضمون ذیل میں ایک حد تک صاحب واقعات نے اپنے لہجہ میں وہی بات حاصل کر لی اب انکی آواز نغمہ سنجان چمن سے بہت ملتی جلتی ہے بلکہ وہی ہے۔ دہلی و لکھنؤ کی زبان کا کیا کہنا دونوں مستند دونوں ٹکسالی۔

ایک کانٹے کے تلے ایک ہی سانچے کے ڈھلے

ان کے ناوک میری آہیں ترے نالے بلبل

(۳)

ایک زمانہ میں راجہ شیو پرشاد صاحب سی ایس آئی مشاہیر ہند میں شمار ہوتے تھے مگر غالباً "ٹوڈی" تھے اس لئے آزاد خیال اخبار ان پر چوٹیں کیا کرتے تھے ایک مرتبہ ریاض الاخبار نے بھی موصوف سے کوئی چبھتا ہوا سوال کیا جس کا جواب راجہ صاحب کو بے قرار ہو کر دینا پڑا جواب اور جواب الجواب دونوں قابل ملاحظہ ہیں

جواب

صاحب عنایت فرمائے بندہ مہتمم ریاض الاخبار گورکھپور زاد عنایتہ

میں آپ کے اخبار مورخہ ۲۳ ماہ حال میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے صفحہ ۳ کے شروع ہی میں اس دور از نظر افتادہ کو یاد فرمایا ہے۔ میرا حافظہ گو بہت ناقص ہے لیکن اس قدر بالتحقیق کہہ سکتا ہوں کہ مہاراجہ بنارس کی طرف سے میں کبھی کسی انگریز مہمان کے استقبال کے واسطے اسٹیشن پر نہیں گیا۔

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ نیشنل کانگریس کے ڈیلیگیٹ سے آپکی کیا مراد ہے۔ ڈیلیگیٹ کے معنی ہیں وکیل پس یہ صاحب کس کے وکیل تھے نیشنل کانگرس کے یا ریاض الاخبار کے یا میرے یا بنارس یا تمام دنیا بلکہ کائنات کے۔ کیا کوئی وکالت نامہ رجسٹری ہوا ہے یا سلف گورنمنٹ کے قانون کے مطابق سلف میڈ ڈیلیگیٹ بن گئے ہیں جیسے میاں ظہوری زاہدوں کے وکیل بنے تھے

بہ این نشہ باشد اگر سلسبیل
قبولست زاہد را من وکیل

مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ قصہ کوتاہ کانگرس کی غرض جو کچھ ہو مگر میری غرض تو صاف یہہ ہے کہ بجز انگلستان کے اور تمام روے زمین کے بادشاہ غارت ہوکر مجھی کو اپنا بادشاہ بنالیں من کے لڈو تو پھر پھیکے کیوں۔ اور اگر میں بادشاہ ہوں تو آپ کو وزیر میں نے آج ہی سے مقرر کردیا

جواب الجواب

ہم کمال مسرت کے ساتھ جناب راجہ صاحب کا عنایت نامہ بجواب ۲۳ر فروری ۷ء درج کرتے ہیں۔ الفاظ جو راجہ صاحب سے متعلق تھے اخبار "ہندوستانی" کے تھے اور سوال ہمارا!

بیشک ہمعصر ہندوستانی ایسی نکتہ چینیوں میں زیادہ بیباک ہے ہم کو خود یقین نہ تھا کہ وہ خاص الفاظ راجہ صاحب کی زبان کے ہوں گے اور اسی وجہ سے وہ سوال تھا۔

راجہ صاحب نے اپنی شرطیہ بادشاہت پر اڈیٹر ریاض الاخبار کو اپنا وزیر مقرر کرنا چاہا ہے زہے نصیب ؎ وزیرے چنیں شہریارے چناں وزارت کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہیں بشرطیکہ انگلستان وٹرکی بحال خود رہیں۔ پھر تو اڈیٹر ریاض الاخبار راجہ صاحب کی طرف اشارہ کرکے بہ کمالِ شوق کہدیگا

میں بھی اگر ہوں تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یارب اور مرا بادشاہ ہو

(۴)

حضرت ریاض کے سفر حیدر آباد کے سلسلے میں جریدۂ روزگار مدراس نے اپنے خاص انداز میں شمالی اور جنوبی اردو کے نازک فرق کے ساتھ یہہ مقالۂ استقبالیہ لکھا تھا۔

ورود بہجت آمود

ہمارے قدیم معزز دوست جناب مولوی ریاض احمد صاحب ریاض اڈیٹر ریاض الاخبار گورکھپور جن کو علومِ ادبیہ میں سخن آفریں نے ید طولیٰ عطا فرمایا ہے حسنِ اتفاق سے معہ جناب بابو موہن سنگھہ صاحب سکریٹری میونسپلٹی گورکھپور و رئیس بنارس وارد حیدر آباد دکن ہو کر عالی جناب مہاراجہ پیشکار بہادر دام اقبالہٗ کے دولت خانہ پر فروکش و میہمان ہوے اور احبابِ دیرینہ کو ملاقات سے مسرور کیا۔ مگر دورانِ جفا پیشہ نے ایام قیام کی گھڑیوں کو کچھہ اس طرح کوتاہ کر دیا کہ ایک دو روز کے قیام کے بعد رخصت کا تذکرہ آگیا اور قدیم احباب کو رنجور کر دیا۔

منشی ریاض احمد کی لیاقتِ علمیہ اور توغلِ ادبیہ کا حال انکی تصنیفات سے ظاہر ہے جس کو ممالک ہندوستان میں ہر ایک شخص بخوبی جانتا ہے محتاج بیان نہیں حقیقت میں خالقِ عالم نے علومِ شعر و سخن میں ایسی ہی لیاقت بخشی ہے جو زمانۂ موجود کے کل اہلِ سخن ان کا لوہا مانے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے کل گلدستوں میں ان کے اشعار نہایت آب و تاب سے طبع ہوتے ہیں اسکے علاوہ ریاض الاخبار اور فتنہ ان کی فطانت کی داد دیتا ہے۔ علاوہ اسکے

خوش مزاجی و خوش خلقی و آزادانہ روش۔ مہذب پیرایہ ہر ایک اپنے موقع پر ریاضِ الفت و محبت و اخلاق کی ہر دم تازہ بہار دکھاتا ہے۔ زمانہ کا باغبان بھی گلشن روزگار میں ایسا گل بہت ہی کم پاتا ہے۔ ہم تازہ غزل جسے ان کے باغ سخن کا ایک پھول کہنا چاہیے درجِ اخبار کرتے ہیں تا ظرفِ ذہن ناظرین اس یوسفِ گم گشتہ کی نشانی کو محفوظ رکھے اور محظوظ ہوتا رہے

حاشیۂ ریاض

اب حضرت ریاض کا وہ حاشیہ جو ان کے اندازِ انشاپردازی یعنی سنجیدگی اور ظرافت کا عجب شوخ اتحاد ہے ــــ ملاحظہ ہو

ہمارے سفر حیدرآباد کے متعلق جریدۂ "روزگار" مدراس نے جو نوٹ شایع کیا ہے ہم نہیں سمجھتے اس کا شکریہ ادا کریں یا گلہ مند ہوں۔

جریدۂ روزگار۔ مدراس کا ایک بہت ہی معزز پرچہ ہے اور حیدرآباد کا تو گویا "لوکل کاغذ" سمجھا جاتا ہے بلکہ لوکل پرچوں سے بھی زیادہ خدماتِ دکن میں نام آور ہے۔

جو تعلق و اتحاد باہمی جریدۂ روزگار اور ریاض الاخبار میں روزِ اجرا سے ہے وہی تعلق دونوں کے اڈیٹروں میں ہے اس لئے لبظاہر تو موقع شکریہ ہی ادا کرنیکا ہے ـــــ لیکن ہم نے شکریہ ادا کیا اور گویا ہم کو اپنے لیئے خود داد حماقت دینا پڑی ــــ جریدہ کو یا تو واقعی ہماری نسبت غلط فہمی ہوئی اور اس نے ہمارے لیئے ان الفاظ سے کام لیا جن کے سزاوار ہم ہرگز نہیں ہوسکتے۔

ایک پاکیزہ نہاد بزرگ خضر صورت کے لیئے تقاضائے مہمان نوازی یہی

تھا کہ وہ جوشِ دل سے ہمارے لئے عمدہ الفاظ استعمال کرتا مگر ضرور تھا کہ مبالغہ سے اپنے الفاظ کو بچاتا کہ ہم کو جاننے والے اس کے الفاظ کو ہمارے لئے کھلا مذاق نہ سمجھتے — ممکن ہے صحبتِ شعروسخن میں ہماری زبان سے نکلے ہوئے اشعار نے کچھ زیادہ شرفِ قبول پایا ہو اور فخرِ زمانہ جناب گراحی کی داد نے ہم کو زیادہ قابل اعتبار بنا دیا ہو لیکن واقعتاً ہم اس ستائش کے قابل نہیں ہیں گو موقع کے لحاظ سے دو چار شعرا اپنے اور دوسروں کے ہم یاد رکھتے ہیں اور ممکن ہے دوسروں کے بھی اپنے ہی نام سے پڑھ دیں مگر کس لئے۔

اتنے لئے کہ آؤ ہگت میکدہ میں ہو
پوچھا جو گھر کسی نے تو کعبہ بتا دیا

الفاظ ستائش کے لئے بالیقین جریدہ پر ہمارے فریب کا اثر ہوا اس لئے وہ ہر طرح شکریہ کا مستحق ہے اور ہم ملامت کے۔

انتخاب میں ہم جریدہ کا نوٹ درج کرتے ہیں اس لئے کہ جریدہ سمجھے اس کے نوٹ کی قدر کی اور غایت یہہ ہے کہ بے وقوف بننے پر بھی اپنی تعریف بری نہیں معلوم ہوتی۔

ناظرین ہمارے اس نوٹ کو ماہِ صیام کے زیر اثر سمجھیں ؎

انسان ہوں فرشتہ ہوں سمجھ میں نہیں آتا
بس اور سے کچھہ اور ہوں ماہِ رمضاں میں

افکارِ سیاسی

۱- یاجوجِ فرنگ

جو آوازیں انگلستان سے پے در پے اٹھیں اور جن کی گونج افغانستانی پہاڑوں سے ٹکرا کر کھلے ہوئے میدانوں اور گھنے ہوے جنگلوں میں پھیل گئی وہ ضرور ایک ہیبت ناک اثر کے ساتھ تھی جس کا نمایاں ثبوت یہہ ہے کہ نڈر جنگجو نے گو اپنا پاؤں پیچھے نہیں ہٹایا مگر آگے بڑھنے میں بھی تامل کیا اب ہماری بلند آوازوں کے مقابلہ میں ایک پر فریب خاموشی یا ایک ملائم آواز ہے اور معاملات کی صورت ایک پیچیدہ غبار کے نقاب میں ہے ہم کو ملائم آواز کے نتیجہ کا ابھی انتظار ہے اور جس کے لئے شاید زیادہ تر وقت انتظار ہی میں گذرے ان لوگوں کی حیرت بیجا نہیں ہے جو ہم کو ابھی تیار نہیں سمجھتے تھے —— اس حالت میں بھی کہ ہم ابھی تیار نہ تھے ہمارا جسم فولادی لباس میں ایک ایسی ہستی کے ساتھ نظر پڑا جس کے لئے مان لیا گیا کہ تیار ہونیکی کوئی ضرورت نہ تھی۔

صلح کن کارروائیوں کے لئے بہت وقت دیدیا گیا گو عمدہ نتیجہ پیدا ہونا ایک مشکل امر ہے مگر ممکن ہے کہ فیصلۂ حدود افغانستان ہو جانے پر آج

کے ارادے کل پر اٹھا رکھے جائیں۔

۲۔ مہدی سوڈانی

اس ہفتہ کی تاربرقیوں نے جو جنگِ سوڈان سے متعلق تھیں ہمکو زیادہ خوش کیا۔ زیادہ خوشی اس لیئے ہے کہ دیسی فوج نے پھر ناموری حاصل کی جو ہمارے ملک کے لیئے فخر کا سبب ہے مگر ہم نہیں چاہتے کہ دیسی فوج کی فتحیابی پر خوشی ظاہر کریں کیونکہ بحق مصر فتح کی خوشی ہم کو راس نہیں آتی۔ جب ہم فتوحات سے بہت خوش ہوتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں کہ ہمارے لیئے اب سوا مبارکباد کے کچھہ نہیں ہے تو ہمارے بازو پر ماتمی فیتہ ہوتا ہے۔ خبرِ فتح کے عوض کسی جنرل کا افسوس ناک انجام سنتے ہیں۔ جنرل ہکس۔ جنرل گارڈن وغیرہ کی جان پاک عدم ہیں۔ سڑی گلی ہڈیاں اور گوشت سوڈان کی زمین میں اور تصویر ہماری آنکھوں میں ہے۔ ہم تو جب دیکھتے ہیں عثمان کی شکست۔ مہدی کی شکست تو اور خوف کھاجاتے ہیں مہدی کو فتح ہوتی ہے تو جانتے ہیں کہ اس میں فریبِ مہدی ہے اور مہدی کی شکست سنتے ہیں تو بھی سمجھتے ہیں کہ فریبِ مہدی ہے —— جب آنکھہ بند کرتے ہیں تو خرطوم کا پھاٹک کھلا ہوا نظر آتا ہے۔

۳۔ ملکہ معظمہ کے قیمتی آنسو

بیان کیا گیا ہے کہ جناب ملکہ معظمہ دریاے ماڈر کے مقتولین و مجروحین کی

فہرست دیکھ دیکھکر اکثر روتی ہیں۔ کیا اس سے زیادہ کوئی پاک معاوضہ ان زخموں کا ہو سکتا ہے جنہوں نے تاج کے اعزاز میں شگفتگی حاصل کی ہے عموماً تاجِ برطانیہ کی رعایا کو گو وہ کسی قوم سے ہو تاج پر جان دینے والوں اور زخم کھانے والوں کی وجہ سے اپنے دل کو پر داغ بنانا پڑا ہے مگر رعایا کے لئے جناب ملکہ معظمہ کا آنسو بہانا حوادثِ جنگ کے غم افزا نتائج سے کہیں زیادہ افسوس ناک ہے۔ کون برٹش سایۂ عاطفت کا پرورش پانے والا حضور عالیہ کے آنسو بہانے کی تاب لا سکتا ہے۔ کاش ہمارا ملک کا ملک قربان ہو جاتا مگر وہ یہہ نہ دیکھتا کہ جناب ملکہ معظمہ کی چشمِ مہر اپنے جاں نثاروں کے غم میں پر آب ہو رہی ہے۔
مقتولین و مجروحین جنوبی افریقہ ہمارے خون کے آنسو بہانے کو کیا کم تھے — حضور عالیہ نے ان کے لئے آنسو بہا کر ہم کو انگاروں پر لٹا دیا —
اگر ہماری جانیں جنوبی افریقہ میں تاج پر نثار ہونے کیلئے نہیں قبول کیجا سکتیں تو ہم کو چاہیئے ٹرانسوال وار فنڈ کے لئے ہم کیوں کا منہ کھولکر تاج کے آنسوؤں کی قدر و قیمت کا اظہار کریں۔

۴۔ حسرت موہانی

حسرتیں آکی سر پٹکتی ہیں — قیدِ فرہاد کیا کیا تو نے

مصرعۂ ثانی میں "مرگ" کا لفظ قید سے تبدیل کر دیا گیا۔ فرہاد کی جگہ حسرت موہانی کو سمجھہ لیجئے — خدا کرے آپ قید سے جلد آزاد ہوں۔

آپ کے لئے آرزو کیگئی تھی وطن کے جیل میں آجائیں مگر کسی وجہہ سے درخواست منظور نہیں ہوئی
آزادی کی آرزو نہ تھی وطن کے جیل کی آرزو تھی یعنی قفس چمن میں آجاتا اب جلیے دل سے کچھ دعا ہوسکتی ہے تو یہی۔

تا شاخ گل ہمارا جب تک قفس نہ آئے
باغوں میں موسم گل لاکھو برس نہ آئے

※

مسائلِ حاضرہ

خیام العصر لسان الملک حضرت ریاض خیرآبادی کا جوش وخروش کچھ شاعری ہی تک محدود نہیں تھا نثر میں بھی انکا قلم جب بہکا ہے تو یہی کہتا ہوا کہ

توبہ کے گھر میں روز رہی میہماں شراب

وہ خواب بھی شراب ہی کا دیکھتے تھے اور خیال میں بھی اسی کا جمال انہیں نظر آتا تھا دنیائے سخن وادب میں مے ومیخواری کا یہہ واقعہ بھلایا نہیں جاسکتا کہ محفل رندانمیں اگر وہ شریک نہ ہوسکتے تو

ان کے حصہ کی چھلک جاتی تھی پیمانہ سے

تاہم ان کے سرگذشتِ مئے کشی کے مشہور معجزہ سے

نہ پیئے اور جھومتا جائے

کی طرح "ریاض جوان مست خرام" کا یہہ کردار بھی کچھہ کم قابل حیرت نہیں کہ وہ بہ ایں ہمہ رندی ومستی اہلِ دل وصاحب دماغ بھی تھے۔ وہ دیوانے تھے مگر ایسے کہ بڑے بڑے فرزانے ان کے ارادت مند تھے وہ رند تھے مگر وضعدار وہ مست تھے اور ہوشیار۔ وہ متوالی باتیں جوش کے عالم میں کررہے ہوتے تھے کہ دردِ قومی وملکی اور سوزِ ادبی د

اصلاحی "ہوش" بنکر آنکھوں کے پردے اٹھا دیتا تھا اور یہہ غافل دفعتاً ملک ہی کو نہیں بلکہ مالک الملک تک کو "عاقل" کے روپ میں یوں نظر آنے لگتا تھا گویا یکسوئی اس کا خمار تھا جس کا اتار صرف "ہنگامہ" ہی سے ہو سکتا تھا۔ شور محشر اس کے لئے روز ہوش تھا

یہہ محشر ہے یہاں اب ہوش میں دیوانہ آتا ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں مختلف مباحث پر حضرت ریاض کے بعض ان مختصر مگر پر معنی مضامین پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے جو آج سے پون صدی پہلے کی سنجیدہ اور دلنشیں انشا پردازی کا نمونہ ہونیکے علاوہ ہمارے بعض قدیم خیالات کے ترجمان بھی ہیں۔

۱۔ عورت اور پردہ

عورتیں جب تک باہر نہ پھرنے لگیں گی تعلیم یافتہ گروہ کو چین نہ آئیگا۔ اس کا سبب عورتوں کی ہمدردی نہیں ہے بلکہ یہہ ہے کہ اس سے جنٹلمینوں کو سخت دقتیں ہوتی ہیں۔ وہ ایک مہذب قوم کو آزادی کے ساتھ پھرتے دیکھتے ہیں ان کی بھی طبعیت مچلتی ہے۔ وہ تھیٹر میں تنہا جاتے ہیں وہاں کے جذبات کا ذکر اگر بی بی ساتھہ ہوتی تو نہایت اداؤں کے ساتھہ اس سے کرتے اور دونوں برابر کا فائدہ اٹھاتے

کہا جاتا ہے کہ قرآن کا مطلب اور اس کی تفسیر آج تک مسلمانوں نے نہیں سمجھی اب یہہ نئی پود مفسر ہوئی ہے اور اس کی تاویلوں نے قرآن پاک

اور احادیث کو لڑکوں کا کھیل بنا دیا ہے۔

عرب شام اور مصر وغیرہ ممالک اسلامی کی نظیر ہندوستان میں پیش کیجاتی ہے شاید یہہ لوگ ملک کے رواج کی کوئی وقعت نہیں سمجھتے اور یہہ نہیں جانتے کہ رواج کس طور پر اور کس ضرورت سے قائم ہوتا ہے۔ رواج کی گورنمنٹ بہت زبردست ہے اور وہ انسانی افعال و اطوار اور طرز معاشرت کے لئے جو قاعدہ اور قانون بنا دیتا ہے اس سے سرتابی ممکن نہیں۔ عرب وغیرہ کا پردہ جس حد پر قائم ہے وہاں اسکی ضرورت ہے اور وہی وہاں عام رواج میں داخل ہے۔

ہندوستان کی آب و ہوا اور یہاں کی مختلف قوموں کی آبادی۔ جہالت اور تعصبات اور یہاں کے مردوں کے ناشائستہ حرکات و افعال اور انکی کم سزائیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رواج کا قانون نہایت عمدہ اصول پر مبنی ہے۔

کیا افغانستان میں یہہ ممکن ہے کہ کوئی مسلمان کسی ہندو کی طرف دیکھے یا کوئی ہندو کسی مسلمان عورت پر نظر ڈالے۔ وہاں اگر ایسا ہو تو امیر کابل کا حکم اس کے لئے ایسا سخت ہے کہ کوئی جرأت نہیں کر سکتا اور سنگساری کا دبدبہ سب کو شکنجہ میں کسے ہوئے ہے۔

یہاں کیا ہو سکتا ہے۔ ابھی بنگال کے مجسٹریٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ باہر کی چلنے پھرنے والی عورت کو گھورنا کوئی جرم نہیں۔

مثال دی جاتی ہے کہ ہزاروں عورتیں باہر پھرتی ہیں پھر کیا ان سب کی عفت

وعصمت خراب ہوتی ہے اس کا حال تجربہ کاروں کو معلوم ہو گا کہ جو عفیفہ اور صاحبِ عصمت عورتیں باہر پھرتی ہیں اور ان کی صورتیں اور شکلیں اچھی ہوتی ہیں ان بیچاریوں پر کیسے کیسے آوازے کسے جاتے ہیں اور کس طرح وہ ستائی جاتی ہیں صرف اپنی آبرو کی حفاظت کیوجہ سے وہ کسی سے شکایت کر سکتی ہیں نہ درِ عدالت تک جا سکتی ہیں۔ ہندوستان میں یہ بھی تو غضب ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے ننگ و ناموس کی شکایت حاکم سے کرتی ہے تو برادری والے اس کو خارج کر دیتے ہیں اور وہ ہر دلعزیز نہیں سمجھی جاتی۔

رسولؐ اللہ کی ازواج مطہرات کے لئے حکم پردہ مخصوص کرنا۔ علم بیان و معانی کی واقفیت اور فقہ و حدیث کی معلومات پر دلالت کرتا ہے۔

رسول اللہ کی بیبیاں تو پابند حکم خدا و رسول کی ہوں جو امہات المومنین تھیں اور جنٹلمینوں کی بیبیاں اس سے مستثنیٰ کر دی جائیں واقعی استدلال بہت زبردست ہے بڑی بحث یہ لوگ ہوا اور روشنی کے پردہ میں کرتے ہیں مگر ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ تو ہوا اور روشنی کو اچھی طرح استعمال کرتے ہیں بلکہ پھانکتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپکی صحت تو اور بھی قابل شرم ہے۔

ایک جگہ بیان کیا گیا ہے کہ پردہ سے عورتوں کا شوق سرد پڑ جاتا ہے بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ صرف مشاہدہ یا نظارہ کے سرد پڑ جانے بلکہ مردہ ہو جانے کے لئے ہندوستان میں پردہ ضروری سمجھا گیا۔

۲- داغ کی جانشینی

اس مسئلہ نے فصیح الملک کے شاگردوں میں غیر ضروری بحث پیدا کردی ہے
اچھا تھا کہ مرحوم کے نامور شاگردوں کی جماعت کسیکو جانشین داغ نامزد
کردیتی لیکن جب کسی ایک کو نامزد کرنیکے لئے باہم اتفاق نہیں ہوسکتا
تو یہہ دلشکن بحث فضول ہے مرحوم کا ہر لائق شاگرد جانشین ہے۔
کسی شاعر کی جانشینی کا نہ کبھی کوئی مسئلہ پیش ہونا چاہیئے نہ یہ بحث چھڑنا چاہیئے
- جانشینی کا مدعا یہہ ہے کہ شاگردوں کو اگر اصلاح و مشورہ کی ضرورت
ہے تو جانشین کے پاس کلام روانہ کریں جن لوگوں کو اس کی رائے پسند ہو
کاربند ہوں اور جو حضرات دوسرے سے اصلاح لینا چاہیں وہ اپنے معتمد
علیہ کی طرف رجوع کریں
یہ مسئلہ نہ پبلک کے لئے ہے نہ پبلک کو فیصلہ کرنیکی ضرورت — جناب منشی
امیر احمد صاحب امیر کی وفات پر ریاض الاخبار میں حافظ جلیل حسن صاحب
جانشین امیر لکھدئے گئے بعض حضرات نے اپنی ذاتی رائے کو دخل دے کر
منشی صاحب کے اور شاگردوں سے دو ایک کو اس کا مستحق قرار دیا مگر
ریاض الاخبار نے فوراً یہہ بحث ختم کردی
ہماری رائے یہہ ہے کہ باہمی کشمکش و کاوش اچھی بات نہیں سب حضرات
متفق ہوکر ایک کو نامزد کردیں یا یہہ سب بجائے خود جانشین داغ رہیں
اگر ایک ہی صاحب ہوں گے تو ان پر بار بہت زیادہ پڑ جائیگا۔

۳- سیواجی کی محبت

اخبار "بنگالی" نے وہ تمام خط وکتابت چھاپی ہے جو انگلشمین اور اسٹیٹمین کے نامہ نگاروں نے کی ہے ڈھاکہ کے ہوشیار اور دانشمند اخبار "مسلمان" نے ظاہر کیا ہے کہ سیواجی کی یادگار قائم کرکے یہہ توقع رکھنا کہ ہندوں اور مسلمانوں میں محبت قائم ہوگی ایک مجنونانہ فعل ہے۔

سیواجی نے شاہی افسر محمد افضل خاں کو دہوکہ دیکر مار ڈالا اس کی یہہ دغا مسلمانوں کو یاد ہے اس پر کئی ہندو اصحاب نے لکھا ہے کہ سیواجی کی پرستش مسلمانوں پر اس لیئے فرض ہے کہ اس نے قابو پاکر مسلمانوں کی مسجدوں کو ناپاک نہیں کیا اور قرآن کی عزت کی —— اس ہرزہ سرائی پر صرف چند الفاظ کہدینا کافی ہیں سیواجی کے جو کارنامہ دکھائے جاتے ہیں وہ مرہٹہ اور بنگالی تاریخ سے ماخوذ ہیں ورنہ انگریزی تاریخیں سیواجی مہراج کو بجز ایک ڈاکو کے کچھہ نہیں تسلیم کرتیں —— سیواجی نے مسلمانوں پر کوئی احسان نہیں کیا اس نے ایک جائز مالک تاج وتخت سے اس طرح بیوفائی کی جس طرح اور ڈاکو ہندوستان میں جتھا باندہ کر لڑے اور لڑتے ہیں اگر برٹش عملداری میں تادیب نہ دی جائے تو ہر خودسر ڈاکو سیواجی ہوسکتا تھا اور کئی ڈاکوؤں نے ایسی ناموری حاصل بھی کی ہے

اڈیٹر صاحب بنگالی کا یہہ فرمانا کہ مسلمان اکبر کی یادگار قائم کریں ہم بہ دل شریک ہوں گے - عام مسلمانوں کو شرکت سے باز رکھیگا عام مسلمانوں کا خیال

ہے کہ اعلیٰ درجہ کی حکمرانی اورنگ زیب نے کی ہے جس نے نہ کسی کی آبرو لی نہ کسی کا مال ہضم کیا۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ جس قدر سلوک ہندوں کے ساتھ عالمگیر نے کئے ہیں کسی نے نہیں کئے ہاں خود سروں کو ضرور تنبیہ کی اس میں ہندو مسلمان کی تخصیص نہ تھی

اڈیٹر صاحب ایک ایسے بادشاہ کی حمایت کی ہمیں ترغیب دیتے ہیں جس کو وہ خود دل میں بقول ایف کے آچار یہ بزدل اور نامرد جانتے ہیں۔ ابنائے وطن ہم کو معاف کریں گے اگر ہم کہیں کہ آجکل بنگالی لٹریچر نے میدانِ جنگ کا نظارہ سامنے کر دیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ناتجربہ کار اور غافل مسلمان اور ہمارے دانشمند اور انصاف پسند ہندو دیکھیں کہ ہم کس مصیبت میں ہیں اور کونسی صورت ایسی ہے جس سے قوموں میں اتفاق پیدا ہو۔ وہ صورت یہہ ہے کہ سیواجی کا ذکر چھوڑا جائے اور روشن آرا کا ناپاک ناٹک جو بالکل فرضی ہے جلا دیا جائے۔

اگر موتی لعل اڈیٹر امرت بازار اپنی بے نتیجہ اپیچ میں مسلمانوں پر حملہ نہ کرتے تو ہمارے کالم اس بحث میں سیاہ نہ ہوتے۔

۴۔ مالوجی جی کا لکچر علی گڑھ میں

ہمعصر "ہندوستانی" علیگڈھ کے پرنسپل پر ناراض ہے کہ انہوں نے پنڈت مدن موہن مالوی کے لکچر میں طلبار کو جانے سے روکا۔ ہم اس کی ناراضگی بیجا سمجھتے ہیں ہمارے خیال میں طالب علمانہ زندگی کو بیرونی دنیا سے

بہت کم واسطہ ہے اس لئے طلبار کو پبلک جلسہ میں شریک ہونا ایک کے بجائے دو وجہوں سے ہمیں ناپسند ہے۔ ایک تو تعلیم کا ہرج دوسرے خیالات کی غلط رہنمائی!

ہندو اور مسلمانوں میں کشید گی اور نفرت پھیلانے والے گڑے مردے اکھیڑنے والے یہی مہاتما پنڈت صاحب ہیں اس لئے انکی تعلیمات کا اندازہ پہلے ہی سے کیا جاسکتا ہے اور اس امر میں جو شہرت انہوں نے حاصل کی ہے محتاج بیان نہیں — کون کہہ سکتا ہے جس شخص نے ایک ناگوار بحث چھیڑ کر ملے ہوئے دلوں کو الگ کیا وہ آیندہ اتحاد کی کوشش کریگا۔

طلبار کا صرف یہہ کام ہے کہ تعلیم کی تکمیل کریں تاکہ ذہنی و دماغی قوتیں پوری نشوونما پائیں اور جب وہ احاطۂ کالج سے رخصت ہولیں تب پبلک جلسوں اور پولٹیکل تحریکوں میں حصہ لیں۔

۵- ہندوستانی رؤسا کی تحقیر لندن میں

ہم نے پہلے لکھا تھا کہ گورنمنٹ پر جو الزام لگایا جاتا ہے کیوں نہیں وہ اسکی تردید کرتی۔

اس ہفتہ کے تاروں میں ذکر ہے کہ ہاوس میں مسٹر.... نے کہا کہ رؤسا کی خاطر داری میں فروگذاشت نہیں ہوئی میہمانوں نے لارڈ کراس کو اطلاع دی کہ خاطر خواہ استقبال ہوا۔

اس سے پہلے سر لیپل گریفن کی چھٹی شایع ہوئی کہ مہاراجہ ہلکر انگلستان

سے جلد تر اس وجہ سے واپس نہیں ہوے کہ توہین ہوئی یہہ نہیں بلکہ جلد واپس ہونیکا یہہ سبب تھا کہ ان کے عزیز بیمار تھے۔

مگر ہم پھر وہی کہتے ہیں کہ ان تمام تحریروں سے یہہ نہیں قبول کیا جا سکتا کہ رؤسا کی توہین نہیں ہوئی گریفین نے جو کچھہ لکھا اپنی بدنامی دور کرنیکے لئے لکھا مسٹر... نے جو کچھہ کہا بہ ذہن خود صحیح کہا۔ گورنمنٹ نے خاطرداری کے جو قاعدے مقرر کئے تھے پورے کئے مگر گفتگو یہہ ہے کہ جو قاعدے مقرر کئے وہ خود ہی مرتبہ سے گرے ہوئے تھے استقبال میں بھی مقررہ قاعدہ ہی سے برتاؤ ہوا یہہ بیان کہ مہمانوں نے استقبال پر خوشی ظاہر کی بیشک ایسا ہی ہوگا جس امر میں آزردگی پیدا ہوئی اس کے متعلق ہرگز مناسب نہ تھا کہ مہمان وہیں گورنمنٹ سے لڑنے جھگڑنے بیٹھ جاتے۔

اسی وجہہ سے اس وقت کوئی باضابطہ شکایت نہیں کی مگر دلوں میں اثر رہا اور زبان پر بھی ذکر آیا جب مرتبہ سے گرا ہوا اعزاز ہوگا ضرور دل گرفتگی پیدا ہوگی۔

بہت بڑا بار اس الزام کا گریفین کے سر ہے وہ تمام دیسی قاعدوں سے واقف ہے ان کو تمام قواعد مقررہ استقبال وغیرہ سے آگاہی حاصل کرنا تھی اور اس ہی یہ ضرورت ترمیم کرانا ضرور تھا۔

مہاراجہ ہلکر جب واپس آئے ٹائمس آف انڈیا نے میل سے اترتے ہی ایک شخص کو ملاقات کے لئے بھیجا۔ مہاراجہ نے صاف کہا کہ انگلستان کے اخباروں میں ہماری نسبت اکثر غلط خبریں چھپیں ہماری تعظیم خاطرخواہ

نہیں ہوئی لیکن ملکہ معظمہ اور سکریٹری آف اسٹیٹ پر الزام نہیں ہے وہ شفقت سے ملیں۔ جو نقص پیدا ہوا ماتحت حکام کے برتاؤ سے۔ ہم کو بجائے چار گھوڑوں کی گاڑی کے دو گھوڑوں کی گاڑی ملی ہماری گاڑی بکنگھم پیلس نہیں جانے دی گئی اوروں کی گئیں۔

افسوس ہے کہ یورپ کے شاہزادوں کی گاڑیاں اندر جائیں اور دیسی پرنس اس قدر حقیر سمجھے جائیں کہ پیادہ پا محل کے اندر پہنچیں اور کوچبانوں کی ہٹو بچو سنیں۔

اگر مسٹر ...... کا بیان صحیح ہے تو بھی اس سے الزام توہین نہیں ہٹتا۔ گورنمنٹ کو چاہیئے دوستانہ شکایتوں کی توضیح پر اصرار کرے اور جانچ کے بعد دیسی رئیسوں سے معافی مانگے۔ اس سے دیسی رئیسوں کی توہین نہیں ہوئی بلکہ ہمارے تمام ملک کی ذلت ہوئی۔

چٹکیاں اور گدگدیاں

حضرت ریاض بھی اکبر الہ آبادی کی طرح سرسید کی پالیسی کے سخت مخالف تھے تاہم ان کے خلوص اور نیک نیتی کا انہیں احساس بھی تھا۔ وہ نکتہ چینی کرتے تھے مگر حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ زبانِ اعتراض کھولتے تھے مگر اصلاح کی نیت سے

خیرآباد میں علیگڈہ ڈپوٹیشن کی آمد کے سلسلے میں وطن کے اس دلسوز کا گریۂ بے اختیار دیکھنے سے پہلے "پیر نیچر" کے متعلق آپ کے کچھ اور خیالات بھی معلوم کرتے چلیئے۔

۱۔ کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاض
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

ہماری اس آرزو میں ہمارے سید احمد خاں بہادر بھی شریک ہیں شاید اوپر کے دل سے۔ اخبار والوں نے کعبہ پہنچا دینے کا کوئی دقیقہ اٹھا ہی نہیں رکھا تھا مگر۔

وہ تو کھٹے بچ گئے فصلِ بہار آنیکو تھی

کسی نہ کسی طرح جھوٹ سچ بول کر بیچارے سید نے اپنا دامن چھڑایا!

ہمارے برے بھلے سید کو لوگ بہتیں پڑا رہنے دیں تو بہتر ہے اس برے وقت میں بہترے کام اس سے نکلتے رہتے ہیں۔ ہمیں تو معتقدین سید سے سید ہی غنیمت معلوم ہوتا ہے ہزار چھیڑ چھاڑ پر اس سے نہ ہو سکا کہ عزم حج کی خبر مشتہر ہونے پر اپنی زبان سے تردید کر کے کہا تو یہی کہا عزم مصمم ہے جب خدا لیجائے — مگر معتقدین کے تو آگ ہی لگ گئی ایک نئے بگڑے ہوئے میاں رمضانی ہیں کئی فاقوں میں آپ نے ایک مضمون چیت کیا مگر واہی وا طواف بیت اللہ کے نام پر آپ اس طرح جامہ سے باہر ہوئے گویا شیطان نے انگلی دکھادی ان کو جب حج کی ضرورت ہوگی تو علیگڈھ سو جھیگا ؎ کسی کا دلِ پاک ہے سنگِ اسود

بڑھو کہہ کے لبیک یا سید احمدؐ

ہمارے نزدیک اخبار والوں نے غلطی کی جو یہہ لکھا۔ الفاظ میں تغیر و تبدل ہوتا تو اچھے رہتے انہیں لکھنا چاہیئے تھا کہ سید صاحب خدا کے گھر جانے والے ہیں اس صورت میں کوئی تردید نہ کرتا۔

دیر سے کعبہ کو ڈرتے ہوئے ہم جاتے ہیں

۲۔ دیکھ لینا ہے جو کوئی وہیں تھم جاتے ہیں

سید صاحب کے ایک عقیدت مند کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ سید صاحب حج کو نہ جاینگے۔ ان عقیدت مند کا نام محمد رمضان ہے جو سکریٹریٹ گورنمنٹ پنجاب میں ہیں۔

ان کو اور سید صاحب کو یوں سمجھیے کہ ایک ہی خاک کے چند ذرہ ہیں
جو سمٹ کر دو قالبوں میں کم و بیش جا بسے ہیں

عقیدت مند صاحب پہلے اڈیٹر رفارمر سے بجتے ہیں اور وہ تیرہ خیال
جو دودِ دل کی طرح دماغ میں گھٹے ہوئے تھے کچھ ظاہر کئے ہیں۔ سید صاحب
کے عزم حج کے متعلق آپ کے الفاظ یہہ ہیں۔

وہ اس قابل نہیں جو مکہ معظمہ کے مصائب اٹھا سکیں۔
انہیں دس پانچ قدم چلنا مشکل ہے چہ جائیکہ بیت اللہ۔ اونٹ
کی سواری اور بیت اللہ کے گرد ننگ دھڑنگ برہنہ سر طواف
کرنا بہت دشوار ہے

اونٹ کی سواری گویا گدھے کی سواری سے گری ہوئی ہے۔ سچ ہے
ماں کے پیٹ سے جو کوٹ پتلون پہنے نکلے ہوں ان کو ننگ دھڑنگ ہونا
یا تہمد باندھنا کیوں نہ دشوار ہو۔

صاحبِ کشف الاخبار نے براہِ راست سید صاحب سے دریافت کیا تھا۔ جواب ملا

اس فریضۂ اعلیٰ کے ادا کرنے کا مثل اور مسلمانوں کے میرا بھی مصمم
ارادہ ہے لیکن بعد عید الفطر غلط۔ اخباروں کی نیک فال کا شکر گذار ہوں

مبارک بود فالِ مہ رخ زدن
نہ مہ رخ زدن بلکہ شہ رخ زدن

۳۔ ہماری خاک تھی کیا فتنہ انگیز
بنے سات آسماں دو گز زمیں کے

ہمارے سر سید کو عاقبت کی فکر ہو یا نہ ہو اپنے گور گڑھے کی بھی فکر ہے؟ اگر نہیں ہے تو ہم ان کو مرد آخر بیں نہ تسلیم کریں گے اور اگر ہے تو ہمیں بتائیں انہوں نے اب تک کیا کیا۔

ہم ان کے خیر اندیش ہیں چاہتے ہیں جس طرح مدرستہ العلوم کی بابت انکی محنت ٹھکانے لگی مٹی بھی ٹھکانے لگے بے وقوف ایسے الفاظ کو فالِ بد سمجھیں ہم ایسوں کا جواب دینا نہیں چاہتے گور گڑھے کی فکر سے یہہ لازم نہیں آتا کہ خدانخواستہ سر سید کوچ کا قصد کریں یا ہماری طرف سے تقاضہ سمجھیں خدا ان کی عمر میں اس قدر برکت عطا فرمائے جتنی اپنے فرشتہ خاص کی عمر میں برکت عطا فرما چکا ہے۔

یہہ ہماری محض خیر اندیشی ہے کہ جو بات ان کو نہیں سوجھتی وہ ہم سجھائے دیتے ہیں۔ ہم نے بہت لوگوں کو دیکھا ہے کہ صرف اپنی مٹی برباد ہونے ہی کی فکر نہیں کرتے بلکہ مرنے سے پہلے اپنے دائمی رہنے کی جگہ پسند کرتے ہیں کبھی باغ میں کبھی کسی بزرگ کے پائیں مزار کبھی گھر ہی میں۔

یہہ بھی ہوتا ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے جانشین نامزد کرتے ہیں یہہ تو سر سید بھی کر چکے باقی ہے تو وہی بات جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔

یہہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ علیگڈہ کی سرزمین نے ان کے لئے بے طرح کشش دکھائی ہے ورنہ لندن جا کر ان کا واپس آنا یعنی چہ ---- جیتے جی اس نے انکو بزور کھینچا خدانخواستہ مرنے پر واگذاشت کی کیوں ٹھرائے گی مگر یہہ پتہ نہیں چلتا کہ علیگڈہ میں کس جگہ کی زمین ---- یہہ کچھ ہم لوگ تو ہیں نہیں جنکے لئے

کہنا پڑے ؎ ہم میکشوں کی لاش کو ملتی نہیں جگہ

حسرت پکارتی ہے کہ مٹی کہاں کی ہے

کی مبارک لاش کے لئے تو ہر طرف سے زمین دوڑیگی خصوصاً جب پہلے سے تصفیہ نہ ہوا ہوگا۔ مرنے پر اس کشمکش کو اٹھا رکھنا عقل انجام بیں کے خلاف ہے۔ یہ بات سمجھا تو ہم نے دی اب سوچ کر اس کا تصفیہ کرنا سرسید کا کام ہے جن کو ابھی تک اس کی کچھ خبر نہیں ؎

کعبہ کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے

مجھکو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے

قرین قیاس تو یہی ہے کو ان کی کوٹھی نے اپنی کشش ان کے لئے اچھی طرح ثابت کی ہے اور جہاں انسان شب کو رہتا ہے وہیں نیند بھی خوب آتی ہے مگر یقیناً وہ اسے پسند نہ کریں گے۔ یہ حضرت والہ و شیدائے مدرستہ العلوم ہیں جب پسند کریں گے تو مدرستہ العلوم کی زمین کو۔

اس سے ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مقبرہ کے لئے بہت کچھ عمارت متعلقہ مقبرہ کی ضرورت نہ پڑیگی کسی کمرہ میں اگر زمین دوز قبر پسند کر لی تو مقبرہ کی چار دیواری اور گنبد کا بھی جھگڑا گیا اور اگر علحدہ جگہ لی تو مقبرہ کی عمارت سے مدرستہ العلوم کی نمود اور بھی بڑھ جائیگی۔

بر وہ بیرونی زمین کو پسند کریں یا اندرونی زمین کو۔ چھوٹے سے احاطہ میں رونما کچھ مٹی کا نشان نظر آئے یا زمین دوز قبر پر سبزہ لہرائے یہ ہوگا ب ہی کہ جب پہلے سے تجویز ہو اور یہ تجویز بھی کسی قانون کی دفعہ سے

متعلق کر دی جائے تاکہ اسی اکھاڑے کے پچیتی پہلوان مولوی سمیع اللہ خانصاحب کو وقت پر اڑنگا لگانیکا موقع نہ ملے

اس وقت باغ کی ہوا موافق ہے کثرت رائے سے جو کچھ کرنا ہو کر لیا جائے وہ جانشین کے اکھاڑ دینے کو توجہ کے نہیں بعد کو گڑے مردے اکھاڑنے کے لئے بھی دریغ نہ کریں گے۔ انہیں کب تاب آئیگی کہ مرنیکے بعد سر سید مدرستہ العلوم کی زمین پر دائمی قبضہ کریں۔ لائف سکریٹری ہونیکے لئے تو موت نے وقت محدود کر دیا تھا اس کے لئے تو یہ اعتقاد سر سید قیامت بھی نہیں

۴۔ مولوی سمیع اللہ خانصاحب

بلاد مصر کی پر آشوب صورتوں اور طوفانی حالتوں سے یہہ کہنا بالکل بیجا نہ ہوگا کہ جو وہاں سے پھرا وہ گویا خدا کے گھر سے پھرا۔ اسلئے ہم مولوی سمیع اللہ خانصاحب کو دوہری مبارکباد دیتے ہیں۔ مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ خاص طریق اختیار کرنے والوں سے جو بد گمانیاں ادائے حج وغیرہ کیلئے پیدا ہو گئی تھیں ان کا اثر اس مبارک سفر سے دور ہو جائیگا۔

خدا سید احمد خانصاحب بہادر کو بھی سوڈان جانا نصیب کرے اور مدرستہ العلوم کی رعایت سے بخیر و عافیت واپس لائے۔

لوگوں کو اس سفر سے مشہور قول کے موافق کہ اکثر حاجیوں کا دل پتھر ہو جاتا ہے کہیں حاجی سمیع اللہ خانصاحب کی نسبت بھی یہہ خیال نہ پیدا ہوا مگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس صورت میں ان کے دل کو وہ لگاؤ مدرستہ العلوم سے رہیگا جو سنگِ اسود کو کعبہ سے!!

وطنیت

۱- علامہ عبدالحق منطقی

جناب شمس العلماء مولٰنا عبدالحق صاحب قبلہ کے انتقال کا صدمہ ایسا نہیں ہے کہ ملک و قوم اس کو بھلا سکے۔

اس حادثہ سے صرف خیرآبادہی دارالعلم نہ رہا بلکہ ہندوستان ہی سے یہ فخر معدوم ہوگیا اور ہندوستان کے ساتھ عرب و عجم سے بھی کچھ شک نہیں ایسے آفتاب علم و فضل کے پنہاں ہونے سے دنیائے اسلام تاریک ہوگئی مولٰنا علماء اکابر اسلام کے عجب قابل قدر یادگار تھے۔ سچ پوچھئے تو شمس العلماء مولوی عبدالحق کے ساتھ تمام زندہ نام علماء آج تہہ خاک ہوگئے ایک ذاتِ واحد میں ایسے کمالاتِ غریبہ اور اوصافِ عجیبہ کا جمع ہو جانا مرحوم مولینا کی ذات بابرکات کے ساتھ گیا۔ زمانہ تو صرف صورتِ ظاہری کا معاوضہ بھی نہیں کرسکتا۔ وہ نورانی چہرہ وہ خندہ روئی وہ زندہ دلی وہ سراپا علم وہ رعب کمال وہ شانِ ادب وہ فضل و جلال۔ دیکھنے والے کے لئے صورت ہی پکار اٹھتی تھی کہ دنیائے اسلام کو فخر و ناز

آج اسی قدسی صفات بزرگ پر ہے۔

شمس العلماء کا بہت بڑا احسان دنیا پر یہ ہے کہ وہ دولتِ علم وکمال کو خاندانی اختصاص کے ساتھ بہت ہی محفوظ طور پر منتقل فرما کر ایک ایسے سینہ کو گنجینۂ علوم بنا گئے جو سلسلہ فیض وبرکت کے عدم انقطاع کا بہت ہی باعتبار ضامن ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ہز ہائینس فرمانروائے رامپور اور اعلیٰ گورنمنٹ نظام شمس العلماء مرحوم کے وظائف ان کے صاحبزادہ مولانا اسد الحق صاحب کے نام منتقل فرمادیں گے کہ مقامات مختلف و ممالک دور دراز کے طلباء بے آس نہ ہوں اور دارالعلوم خیرآباد دارالعلوم بنا رہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے بسلسلۂ تعزیت حضرت ریاض مرحوم مولوی رئیس احمد جعفری سلمہ اللہ تعالیٰ نبیرہ حضرت ریاض کو لکھا تھا۔

"مرحوم آپ کے خاندان کے سرتاج تھے مجھے
امید ہے آپکی بدولت پھر اسے تاج عزت حاصل ہوگا"

اس مبارک پیشگوئی کے ساتھ جب ہم حضرت ریاض کی وفات پر مولف سیرت محمد علی کا ایڈیٹوریل نوٹ

خانۂ شعر بے چراغ ہوا

دیکھتے ہیں تو ہماری چشم تصور کے سامنے وہ زمانہ پھر جاتا ہے جب علامہ عبدالحق کی وفات پر حضرت ریاض نے "علم وفضل کا گھر بے چراغ ہوا" کے عنوان سے مندرجہ بالا مضمون سپرد قلم کیا تھا۔

۲- ایجوکیشنل ڈپوٹیشن سیتاپور

محمڈن کالج کا سکریٹری ایک زمانہ میں مسلمانان ہند کا ڈکٹیٹر سمجھا جاتا تھا۔ خیرآباد میں علیگڈھ ڈپوٹیشن کی آمد و استقبال کے سلسلے میں حضرت ریاض کی وطن نوازی اور قوم پروری کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو

ہمارے خرابات میں ڈپوٹیشن کے لئے رکھا ہی کیا تھا پھر بھی جو کچھ آؤبھگت ہوئی کم نہیں ہے۔ کشید کے اعتبار سے سیتاپور بھی اپنی حیثیت پر نمبر اول رہا یہہ ضرور ہے کہ المضاعف تعداد کے اعتبار سے گورکھپور نے دوآتشہ ڈھالی مگر سرور ہمیں سیتاپور کی کشید سے بھی آیا۔

نواب محسن الملک قدر کریں تو فقیروں کی بوتل کی تلچھٹ بھی جنت کے شہد شیر کا حکم رکھتی ہے ہماری دعا ہے کہ یہہ مبارک رقم معصوم طلبار کالج کو شیرِ مادر ہو وہ پوری تعلیمی قوت حاصل کریں اور ملک و گورنمنٹ کے لئے مفید ہوں

صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر سیتاپور اپنے اخلاقی اوصاف سے ڈپوٹیشن کے لئے اس طرح ابرِ رحمت تھے جس طرح ہمارے ضلع میں ڈاکٹر ''ہوئی'' صاحب کمشنر بہادر!
ایسا گھرا ابر رحمت ہو تو زرین مینا طاؤسِ زنگاریں کیطرح کیوں نہ رقص میں آئے
گورکھپور میں جناب راجہ صاحب پڈرونہ کا نام عدم شرکت پر بھی ہندو رؤسا کے

گورکھپور سے نکلا رہا تھا مگر سنیا پور میں جناب ٹھاکر درگا بخش سنگھ صاحب تعلقدار نیلگاوں نے تو سر برآوردہ مسلمانانِ شریکِ جلسہ کو بھی شرما دیا واقعی

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ہم خوش ہیں ممدوح کے لئے ہماری نظرِ انتخاب نے دھوکا نہیں کھایا۔ آج ہر ضلع اگر ٹھاکر درگا بخش سنگھ اور راجہ صاحب پڈرونہ کی طرح فیاض طبیعت ملکی درد کے شریک پیدا کرے تو ہر ہندو مسلمان اور ہر مسلمان ہندو نظر آئے اور گورنمنٹ بھی سمجھے ہمارے دونوں میٹھے!

افسوس ہے تو یہی کہ جناب راجہ سر امیر حسن خانصاحب اور حضور ولیعہد نے کسی مصلحتِ خاص سے شرکت جلسہ نہ فرمائی ورنہ ع

تم دیکھتے قطرہ ابھی طوفاں ہوتا

بہرحال یار زندہ صحبت باقی۔ محمود آباد امید گاہِ اسلام ہے کبھی تو مدرسۃ العلوم کا خیال آہی جائیگا ——

۳۔ خیرآباد

"ایک مشہور مقامی میلہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے "خرابات" کے متعلق بھی چند سطریں حضرت مرحوم کے قلم سے نکل گئی تھیں۔ ڈپوٹیشن ہی کے سلسلے میں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔"

اس میلہ میں اب کھیپ کے کھیپ تعلقدار اور سوداگر جمع ہونے لگے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر کو توجہ اس کی رونق کی طرف ہے۔ عرصہ سے اس کا بازار بہت سرد

ہو گیا ہے مسٹر تامسن صاحب تک اس کی خوب گرم بازاری رہی۔
خیرآباد کی تباہ حالت پر یہہ میلہ ہرگز یہاں زیب نہیں دیتا جہاں کچھہ بھی انگریزی کا اثر نہیں ـــــ حکام کی غفلت کو کیا کہا جائے جنہوں نے ایک "پوروہ" کو ضلع بنا دیا اور اس وسیع شہر کو اجاڑا۔ سیتاپور بہت کچھہ رونق حاصل کرتا جاتا ہے مگر اس بے ڈھنگے پن کے ساتھ کہ اس کی رونق نہ بڑھتی تو اچھا تھا۔ ڈہابلی کے طور پر ایک گنج پاٹا گیا ہے جو ایک بدنما (عالم نگر) حلقہ میں ہے۔ یہی آبادی لمبی سڑکوں پر پھیلائی جاتی تو خیرآباد اور سیتاپور کی آبادی میں کم فرق رہ جاتا۔ ہم اس معاملہ پر پھر لکھینگے اس وقت صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کو صرف خیرآباد کی حالت پر توجہہ دلانا ہے۔ مگر کیا خاک توجہہ دلائی جائے جب توجہہ سے بھی کچھہ نہ ہو سکے۔ بغیر ضلع ہوئے نہ اس کی آبادی بڑھے گی نہ رونق!

خیرآباد کی سچی تعریف ہماری زبان سے یہہ ہے ؎

اب وہاں خاک بھی نہیں اڑتی
مجھ سے بیکس مرا وطن بھی ہوا